زیر سرپرستی حضرت ولی عصرؑ عجل اللہ فرجہ الشریف

سہ ماہی

# مصباح الہدیٰ

دینی، علمی، سماجی جریدہ

جلد (۵) شمارہ (۴)

شوال، ذیقعدہ، ذی الحجہ ۱۴۳۷ھ

**مدیر اعلیٰ**
سیّد منظر صادق زیدی

**مدیر**
سیّد محمد ثقلین جوراسی

**نائب مدیر**
سید وقار حیدر اعظمی

قیمت فی شمارہ ۶۰ روپیہ

سالانہ ممبرشپ ۲۰۰ روپیہ

ہدیٰ مشن، شفاعت مارکٹ زہرا کالونی مفتی گنج لکھنؤ-۳، اتر پردیش، انڈیا
**Huda Mission**
Shafaat Market, Zahra Colony, Muftiganj, Lucknow-3
09415090034, 8726254727, 00989196645165
misbah_al_huda@yahoo.com
misbah.al.huda@gmail.com

سہ ماہی
# مصباح الہدی

دینی، علمی، سماجی جریدہ

## مجلس مشاورت

عالیجناب مولانا حسن عباس فطرت صاحب، عالیجناب مولانا قاضی محمد عسکری صاحب
عالیجناب مولانا ولی الحسن صاحب، عالیجناب مولانا محمد حسن معروفی صاحب
عالیجناب مولانا سید محمد جابر جوراسی صاحب، عالیجناب مولانا سید شمشاد حسین صاحب
عالیجناب ڈاکٹر ساجد امام زیدی صاحب

## مجلس ادارت

عالیجناب مولانا سید تصدیق حسین صاحب، عالیجناب مولانا میثم زیدی صاحب
عالیجناب مولانا محمد سبطین باقری صاحب، عالیجناب مولانا وجیہ اکبر زیدی صاحب
عالیجناب مولانا سید عابد رضا نوشاد صاحب، عالیجناب مولانا فصاحت حسین صاحب
عالیجناب مولانا سید سجاد حیدر صفوی صاحب

مصباح الہدی میں شائع شدہ مضامین سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے
مصباح الہدی کو موصولہ تحریروں میں ترمیم کا مکمل اختیار ہے
مصباح الہدی میں شائع شدہ مضامین کو نقل کرنے کی اجازت ہے

بسمہ تعالی

# فہرست


| | | |
|---|---|---|
| ۱ | نورانی کلام | ۴ |
| ۲ | تفسیر | ۶ |
| ۳ | عید غدیر کے باطنی و معنوی پہلو | ۱۴ |
| ۴ | اسلام میں عقل کی اہمیت | ۲۱ |
| ۵ | ادب، ادیب، مودب اور تادیب | ۲۵ |
| ۶ | فخر سے کہو ہم شیعہ ہیں | ۳۱ |
| ۷ | جنت البقیع تاریخ کے پس منظر میں | ۳۵ |
| ۸ | مذموم دنیا اور ممدوح دنیا | ۴۵ |
| ۹ | امام رضاؑ کی روایات میں امامت اور نبوت کا تقابل | ۵۴ |
| ۱۰ | حدیث غدیر اور نہج البلاغہ | ۷۰ |
| ۱۱ | غیر متوقع کامیابی | ۸۴ |
| ۱۲ | دعائے عرفہ کا تعارف | ۹۱ |
| ۱۳ | حج اور ہماری ذمہ داریاں | ۹۸ |
| ۱۴ | سماجی زندگی کا طریقہ | ۱۰۶ |
| ۱۵ | ایک یادگار مناظرہ | ۱۱۴ |
| ۱۶ | مذاق اڑانا | ۱۱۸ |
| ۱۷ | دنیائے اسلام | ۱۲۱ |

# نورانی کلام

## احادیث امام رضاؑ مومن کی تین خاصیتیں

"لا یَکُونُ الْمُؤْمِنُ مُؤْمِنًا حَتّی تَکُونَ فیهِ ثَلاثُ خِصال:: سُنَّةٌ مِنْ رَبِّهِ، وَ سُنَّةٌ مِنْ نَبِیِّهِ، وَ سُنَّةٌ مِنْ وَلِیِّهِ۔ فَأَمَّا السُّنَّةُ مِنْ رَبِّهِ فَکِتْمانُ سِرِّهِ، وَ أَمَّا السُّنَّةُ مِنْ نَبِیِّهِ فَمُداراةُ النّاسِ، وَ أَمَّا السُّنَّةُ مِنْ وَلِیِّهِ فَالصَّبْرُ فِی الْبَأْساءِ وَ الضَّرّاءِ"

مومن اس وقت تک حقیقی معنی میں مومن نہیں بن سکتا جب تک کہ اس میں یہ تین صفات نہ پائے جائیں: ۱۔ اپنے رب کی سنت۔ ۲۔ اپنے نبی کی سنت۔ ۳۔ اپنے ائمہ معصومین اولیاء الٰہی کی سنت۔

رب کی سنت یہ ہے کہ اپنے راز کو چھپائے۔ اپنے پیغمبر کی سنت یہ ہے کہ لوگوں کے ساتھ ہمدردی اور نرمی سے پیش آئے۔ ائمہؑ کی سنت یہ ہے کہ تنگدستی اور پریشانی کے عالم میں صبر و شکیبائی سے کام لے۔

توضیح:

انسان کو چاہئے کہ کسی کا بھی راز اِفشا نہ کرے حتی کہ اپنے راز پر بھی سب کو آگاہ نہ کرے اس لئے کہ خود جس چیز کی حفاظت نہ کر سکے اس کے لئے دوسروں سے یہ امید رکھنا کہ وہ کسی کو باخبر نہیں کرے گا حماقت ہے۔ اس لئے یہ سوچنا چاہئے کہ اگر ہم کسی کے راز سے باخبر ہو گئے ہیں تو خدا ہمارے ہر راز سے باخبر ہے لہٰذا ہم دوسرے کے رازوں کی حفاظت کریں خدا ہمارے راز کی حفاظت کرے گا۔

اسی طرح خداوند عالم کی عبادت کے ساتھ ساتھ بندگان خدا کی بھی مشکلات کے حل اور ان سے ہمدردی کے لئے ہمیشہ کوشاں رہے، اور دنیا کی مشکلات ومصائب میں اپنے ائمہؑ کا کردار ملاحظہ کرے اور صبر وشکر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹنے دے۔

## خاموشی کی برکت

"إنَّ الصَّمتَ بابٌ مِنْ أبوابِ الْحِكْمَةِ، يَكْسِبُ الْمَحَبَّةَ، إنَّهُ دَليلٌ عَلى كُلِّ خَيرٍ"

بے شک خاموشی حکمت کے ابواب میں سے ایک باب ہے، جو محبت کو کسب کر لیتی ہے، بے شک خاموشی ہر بھلائی کی دلیل ہے۔ (مستدرک الوسائل، ج۹ ص۱۶)

## توضیح:

جب تک انسان خاموش رہتا ہے اس کے بارے میں پتہ نہیں چلتا کہ عالم ہے کہ جاہل، اس کا معیار ادب، اس کے کلام کی گہرائی کیا ہے، لیکن جیسے ہی زبان کھلتی ہے انسان کی شخصیت اس کی زبان سے واضح ہو جاتی ہے۔ البتہ جہاں بولنے میں حکمت ہو اور بہتری ہو ایسی جگہوں پر خاموشی کو عبث اور ناپسند سمجھا گیا ہے۔ بولنے کی جگہ اور مقام ومصلحت کو پرکھنا نہایت ضروری ہے اسی لئے کہتے ہیں پہلے تولو پھر بولو۔

## سخی اور کنجوس

"السَّخيُّ يَأكُلُ طَعامَ النّاسِ لِيَأكُلوا مِنْ طَعامِهِ، وَالْبَخيلُ لا يَأكُلُ طَعامَ النّاسِ لِكَيلا يَأكُلوا مِنْ طَعامِهِ"

سخی لوگوں کے کھانے میں سے کھاتا ہے تاکہ لوگ اس کے کھانے میں سے بھی تناول فرمائیں، لیکن بخیل کسی کا کھانا نہیں کھاتا تاکہ لوگ اس کے کھانے میں شریک نہ ہو جائیں۔

(مستدرک الوسائل، ج۱۵ ص۳۵۸)

★★★★★

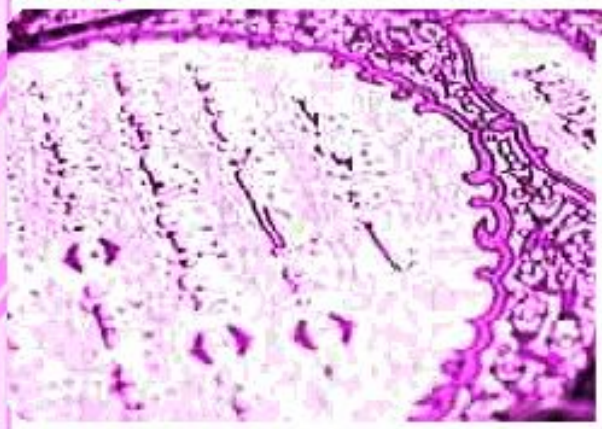

# تفسیر

## آیۃ اللہ العظمی آقای ناصر مکارم شیرازی

### سات آسمانوں سے کیا مراد ہے؟

اس سلسلے میں مفسرین اور علماء اسلام کے گوناگوں بیانات اور مختلف تفاسیر ہیں۔

(ا) بعض سات آسمانوں سے وہی سبع سیارات (سات ستارے (یعنی عطارد، زہرہ، مریخ، مشتری، زحل، چاند اور سورج) مراد لے تے ہیں۔علماء ہیئت قدیم کے نزدیک چاند اور سورج بھی سیارات میں داخل تھے۔(ا)

(۲) بعض علماء نے نظام شمسی کے دس کرات (نو سیارے مشہور ہیں ایک اور سیارہ بھی ہے جو مریخ اور مشتری کے درمیان تھا لیکن وہ منتشر ہوگیا اس کا کچھ حصہ اسی طرح اسی مدار زمین محو گردش ہے) کو دو حصوں تقسیم کیا ہے ایک گروہ وہ ہے جو مدار زمین میں گردش کر رہے ہیں (جن میں عطارد اور زہرہ شامل ہیں) اور ایک گروہ مدار زمین سے باہر اور اس کے اوپر کی طرف ہے۔شاید اسی تفسیر سے یہی باہر کے سات سیارے مراد ہیں۔

(ب) بعض کا نظریہ ہے کہ اس سے مراد زمین کے گرد ہوائے متراکم کے طبقات ہیں اور وہ مختلف تہیں جو ایک دوسرے کے اوپر ہیں۔

(ج) بعض کہتے ہیں یہاں سات کا عدد تعدادی عدد (عدد مخصوص) کے معنی میں نہیں بلکہ عدد تکثیری ہے جس کے معنیٰ ہیں زیادہ اور تعداد فراواں، کلام عرب اور خود قرآن میں کئی جگہ اس کی نظیریں موجود ہیں مثلاً سورہ لقمان آیت ۲۷ میں ہے: "ولو ان ما فی الارض من شجرۃ اقلام والبحر یمدہ من بعدہ سبعۃ ابحر ما نفدت کلمت اللہ"

اگر زمین کے درخت قلمیں بن جائیں اور سمندر سیاہی بن جائیں اور سات سمندر مزید مل جائیں تو بھی کلمات خدا کو لکھا نہیں جا سکتا۔

بالکل واضح ہے کہ سات آیت میں سات سے مراد عدد مخصوص سات نہیں بلکہ اگر ہزار سمندر بھی سیاہی بن جائیں تو اس سے خدا کے لامتناہی علم کو نہیں لکھا جا سکتا۔ اس بناء پر کہا جا سکتا ہے کہ سات آسمانوں سے متعدد آسمان اور عالم بالا کے بہت سے کرات مراد ہیں اور اس سے کوئی عدد مخصوص مراد نہیں۔

(د) جو بات زیادہ صحیح دکھائی دیتی ہے وہ یہ کہ "سموات سبع" سے مراد آسمان ہی ہے جو اس کے حقیقی معنی ہیں۔ مختلف آیاتِ قرآن میں اس عبارت کا تکرار ظاہر کرتا ہے کہ سات کا عدد یہاں کثرت کے معنی میں نہیں بلکہ کسی خاص عدد کی طرف اشارہ ہے البتہ آیاتِ قرآن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ تمام کرات، ثوابت اور سیارات جو ہم دیکھ رہے ہیں پہلے آسمان کا جزء ہیں اور چھ عالم اس کے علاوہ موجود ہیں جو ہماری نگاہ اور آج کے علمی آلات کی دسترس سے باہر ہیں اور مجموعی طور پر سات آسمانوں سے سات عالم تشکیل پذیر ہیں۔

قرآن اس گفتگو کا شاہد ہے:

"وزینا السماء الدنیا بمصابیح"

ہم نے نچلے آسمان کو ستاروں کے چراغوں سے سجایا۔ (فصلت، ۱۲)

دوسری جگہ پر یوں ہے۔

"انا زینا السماء الدنیا بزینۃن الکواکب"

یقیناً ہم نے نچلے آسمان کو ستاروں سے زینت بخشی۔ (الصفت۔ ۶)

ان آیات سے واضح ہوتا ہے کہ جو کچھ ہم دیکھ رہے ہیں۔ جسے ستاروں کی دنیا کہتے ہیں سب آسمان اول ہے اسکے علاوہ چھ آسمان اور موجود ہیں جن کی جزئیات کے متعلق ہمیں کوئی اطلاع نہیں۔

یہ جو کچھ ہم نے کہا ہے کہ چھ اور آسمان ہیں جو ہمارے لئے مجہول ہیں اور ممکن ہے کہ آئندہ علوم ان سے پردہ اٹھائیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کے ناقص علوم جتنے آگے بڑھتے ہیں خلقت کے

نئے عجائبات تک دسترس حاصل کرتے ہیں مثلاً علم ہیئت ابھی وہاں تک پہنچا ہے جہاں سے آگے ٹیلی سکوپ telescope)) دیکھنے کی قدرت نہیں رکھتا۔

بڑی بڑی رصدگاہوں کے انکشافات ایک عرب نوری سال کے فاصلے تک پہنچ چکے ہیں اور سائنس دان معترف ہیں کہ یہ تو آغاز عالم ہے اختتام نہیں لہذا اس میں کیا مانع ہے کہ آئندہ علم ہیئت کی ترقی سے مزید آسمان، کہکشاں ئیں اور دوسرے عوالم کا انکشاف ہوجائے۔ بہتر ہے کہ گفتگو دنیا کی بہت بڑی رصدگاہ سے سنی جائے۔

## عظمت کائنات:

پالومار کی رصدگاہ نے جہانِ بالا کی اس طرح توصیف کی ہے:

"جب تک پالومار کی رصدگاہ کی دوربین نہیں بنی تھی دنیا کی وسعت جوہمیں نظر آتی تھی پانچ سو نوری سال سے زیادہ نہیں تھی لیکن اب اس دوربین نے ہماری دنیا کی وسعت ایک عرب نوری سال تک پہنچادی ہے اس کے نتیجے میں کئی ملین نئی کہکشاؤں کا انکشاف ہوا ہے جن میں سے بعض ہم سے ایک عرب نوری سال کے فاصلہ پر واقع ہیں لیکن ایک عرب نوری سال کے فاصلہ کے بعد ایک عظیم مہیب اور تاریک فضا نظر آتی ہے جس کی کوئی چیز دکھائی نہیں دیتی یعنی روشنی وہاں سے عبور نہیں کرسکتی کہ رصدگاہ کی دوربین کے صفحہ عکاسی کو متاثر کرے لیکن بلاشک اس مہیب وتاریک فضا میں کئی سوملین کہکشائیں موجود ہیں لیکن ہماری دنیا ان کہکشاؤں کی کشش سے محفوظ ہے۔

یہ عظیم دنیا جو نظر آرہی ہے جس میں کئی سوملین کہکشائیں موجود ہیں ایک عظیم تر جہان کا چھوٹا سا ذرۂ بے مقدار ہے اور ابھی ہم یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ اس دوسری دنیا کے اوپر بھی کوئی اور دنیا ہے۔

اس گفتگو سے واضح طور پر یہ بات سامنے آتی ہے کہ دنیائے علم آسمانوں کے بارے میں اپنی حیرت انگیز ترقی کے باوجود اپنے انکشافات کو آغاز جہاں سمجھتی ہے نہ کہ اس کا اختتام بلکہ ایک عظیم جہان کے مقابلے میں اسے ایک چھوٹا سا ذرہ خیال کرتی ہے۔

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً قَالُوا أَتَجْعَلُ فِيهَا مَن يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ قَالَ إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٣٠﴾ وَعَلَّمَ آدَمَ

الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلَائِكَةِ فَقَالَ أَنبِئُونِي بِأَسْمَاءِ هَٰؤُلَاءِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿٣١﴾ قَالُوا سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا إِنَّكَ أَنتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ﴿٣٢﴾ قَالَ يَا آدَمُ أَنبِئْهُم بِأَسْمَائِهِمْ فَلَمَّا أَنبَأَهُم بِأَسْمَائِهِمْ قَالَ أَلَمْ أَقُل لَّكُمْ إِنِّي أَعْلَمُ غَيْبَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَأَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا كُنتُمْ تَكْتُمُونَ ﴿٣٣﴾

ترجمہ

۳۰۔ جب آپ کے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں روئے زمین پر ایک جانشین اور حاکم مقرر کرنے لگا ہوں تو فرشتوں نے کہا (پروردگارا) کیا ایسے شخص کو مقرر کرے گا جو زمین پر فساد اور خونریزی کرے گا (کیوں کہ آدم سے پہلے زمین کے دوسرے موجودات جو عالم وجود میں آچکے ہیں ان کی طبیعت اور مزاج جہان مادہ کے حکم کا پابند ہے لہذا وہ فساد اور خونریزی کے گناہ ہی میں مبتلا تھے لیکن خلقت انسان کا مقصد اگر عبادت ہے تو) ہم تیری تسبیح اور حمد بجالاتے ہیں (اس پر پروردگار عالم نے فرمایا: میں حق کو جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔

۳۱۔ پھر علم اسماء (علم اسرار خلقت اور موجودات کے نام رکھنے کا علم) سب کا سب آدم کو سکھایا پھر انہیں فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور فرمایا: اگر سچ کہتے ہو تو بتاؤ ان کے نام کیا ہیں۔

۳۲۔ فرشتوں نے کہا تو پاک ومنزہ ہے جو تو نے ہمیں تعلیم دی ہے ہم اس کے علاوہ کچھ نہیں جانتے تو حکیم ودانا ہے۔

۳۳۔ فرمایا: اے آدم، انہیں ان (موجودات) کے ناموں اور اسرار) سے آگاہ کردے جب اس نے انہیں آگاہ کردیا تو خدا نے فرمایا: میں نہ کہتا تھا کہ میں آسمان اور زمین کا غیب جانتا ہوں اور تم جن چیزوں کو ظاہر کرتے اور چھپاتے ہو انہیں بھی جانتا ہوں۔

انسان زمین میں خدا کا نمائندہ

گذشتہ آیات میں پڑھ چکے ہیں کہ خدا نے زمین کی تمام نعمتیں انسان کے لئے پیدا کی ہیں اور ان آیات میں رسمی طور پر انسان کی رہبری اور خلافت کی تشریع کی گئی ہے اور اس روحانی حیثیت کو واضح کیا گیا ہے جس کی وجہ سے وہ ان تمام احسانات کے لائق تھا۔

ان آیات میں آدم (پہلے انسان) کی خلقت کی کیفیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، اور آیات کے اس سلسلہ میں جو آیہ ۳۰ سے شروع ہوکر ۳۹ تک پہنچتا ہے تین بنیادی مسائل کو بیان کیا گیا ہے؛

(۱) پروردگار عالم کا فرشتوں کو زمین میں انسان کی خلافت وسرپرستی کے بارے میں خبر دینا اور وہ گفتگو جو فرشتوں نے اس سلسلے میں خدا سے کی۔

(۲) پہلے انسان کے لئے فرشتوں کو خضوع وتعظیم کا حکم جس کا ذکر مختلف مناسبات سے قرآن کی مختلف آیات میں کیا گیا ہے۔

(۳) بہشت میں آدم کی کیفیت اور رہنے کی تشریع، وہ حوادث جو جنت سے ان کے نکلنے کا سبب بنے، آدم کا توبہ کرنا اور پھر آدم اور اولاد آدم کا زمین میں آکر آباد ہونا۔

بڑی بڑی رصدگاہوں کے انکشافات ایک عرب نوری سال کے فاصلے تک پہنچ چکے ہیں اور سائنس دان معترف ہیں کہ یہ تو آغاز عالم ہے اختتام نہیں لہذا اس میں کیا مانع ہے کہ آئندہ علم ہیئت کی ترقی سے مزید آسمان، کہکشاں ئیں اور دوسرے عوالم کا انکشاف ہوجائے۔

زیر بحث آیات ان میں سے پہلی منزل کی بات کرتی ہیں۔ خدا کی خواہش یہ تھی کہ روئے زمین پر ایک ایسا موجود خلق فرمائے جو اس کا نمائندہ ہو، اس کی صفات صفات خداوندی کا پرتو ہوں اور اس کا مرتبہ ومقام فرشتوں سے بالا تر ہو۔ خدا کی خواہش اور ارادہ یہ تھا کہ ساری زمین اور اس کی نعمتیں، تمام قوتیں سب خزانے، تمام کانیں اور سارے وسائل بھی اس کے سپرد کردیئے جائیں۔ ضروری ہے کہ ایسا شخص عقل وشعور، ادراک کے وافر حصہ استعداد کا حامل ہو جس کی بناء پر موجودات ارضی کی رہبری اور پیشوائی کا منصب سنبھال سکے۔

یہ وجہ ہے کہ پہلی آیت کہتی ہے یاد کریں اس وقت کو جب آپ کے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں روئے زمین پر جانشین مقرر کرنے والا ہوں (**واذ قال ربک للملٰئکة انی جاعل فی الارض خلیفة**)۔

خلیفہ کے معنی ہیں جانشین، لیکن یہاں اس سے کس کا جانشین مراد ہے اور کس چیز میں جانشین

ہے، مفسرین نے اس کی مختلف تفسیریں کی ہیں:

بعض کہتے ہیں انسان یا اور موجودات کا جانشین جو زمین میں پہلے زندگی گذارتے تھے۔

بعض نے اس سے یہ سمجھا ہے کہ انسان کی دوسری نسلیں ایک دوسرے کا جانشین ہوں گی۔

لیکن انصاف یہ ہے جسے بہت سے محققین نے بھی قبول کیا ہے کہ اس سے مراد خلافت الٰہی اور زمین میں خدا کی نمائندگی ہے کیونکہ اس کے بعد فرشتوں کا سوال اور ان کا کہنا کہ ممکن ہے نسل آدم مبداء فساد وخونریزی ہو جب کہ ہم تیری تسبیح وتقدیس کرتے ہیں اسی معنی سے مناسبت رکھتا ہے کیونکہ زمیں میں خدا کی نمائندگی ان کاموں کے ساتھ سازگار نہیں۔

اسی طرح آدم کو "اسماء" کی تعلیم دینا جس کی تفصیل بعد میں آئے گی اس دعوے پر ایک اور واضح قرینہ ہے اور آدم کے سامنے سجدہ بھی اسی مقصد کا شاہد ہے۔

بہر حال خدا چاہتا تھا کہ ایسے وجود کو پیدا کرے جو عالم وجود کا گلدستہ ہو اور خلافت الٰہی کے مقام کی اہلیت رکھتا ہو اور زمین میں اللہ کا نمائندہ ہو۔

ان آیات کی تفسیر میں ایک حدیث جو امام صادق سے مروی ہے وہ بھی اسی معنی کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ فرشتے مقام آدم پہچاننے کے بعد سمجھ گئے کہ آدم اور ان کی اولاد زیادہ حقدار ہیں کہ وہ روئے زمین میں خلفاء الٰہی ہوں اور مخلوق پر ان کی حجت ہوں۔

(معانی الاخبار بحوالہ المیزان، جلد ۱، ص ۱۲۱)

زیر بحث آیت مزید بیان کرتی ہے کہ فرشتوں نے حقیقت کا ادراک کرنے کے لئے نہ کہ اعتراض کی غرض سے عرض کیا: کیا زمین میں اسے (جانشین) قرار دے گا جو فساد کرے گا اور خون بہائے گا (قالو اتجعل فیھا من یفسد فیھا ویسفک الدماء) جبکہ ہم تیری عبادت کرتے ہیں، تیری تسبیح وحمد کرتے ہیں اور جس چیز کی تیری ذات لائق نہیں اس سے تجھے پاک سمجھتے ہیں (ونحن نسبح بحمدک ونقدس لک)۔

مگر یہاں خدا نے انہیں سربستہ ومجمل جواب دیا جس کی وضاحت بعد کے مراحل میں آشکار ہوئی فرمایا: میں ایسی چیزوں کو جانتا ہوں جنہیں تم نہیں جانتے (قال انی اعلم مالا تعلمون)۔

جیسے کہ ان کی گفتگو سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتے سمجھ گئے تھے کہ یہ انسان سر براہی نہیں بلکہ فساد کرے گا، خون بہائے گا اور خرابیاں کرے گا لیکن دیکھنا یہ ہے کہ آخر وہ کس طرح سمجھے تھے۔

بعض کہتے ہیں خدا نے انسان کے آئندہ حالات بطور اجمال انہیں بتائے تھے جب کہ بعض کا احتمال ہے کہ ملائکہ اس مطلب کو لفظ "فی الارض" (زمین میں) سے سمجھ گئے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے انسان مٹی سے پیدا ہوگا اور مادہ اپنی محدودیت کی وجہ سے طبعا مرکز نزاع وتزاحم ہے کیونکہ محدود مادی زمانہ انسانوں کی طبعیت کو سیر وسیراب نہیں کرسکتا جو زیادہ کی طلب رکھتی ہے یہاں تک کہ اگر ساری دنیا ایک فرد کو دے دی جائے تو ممکن ہے وہ پھر بھی سیر نہ ہو اگر کافی احساس ذمہ داری نہ ہو تو یہ کیفیت فساد اور خونریزی کا سبب بنتی ہے۔

بعض دوسرے مفسرین معتقد ہیں کہ فرشتوں کی پیشین گوئی اس وجہ سے تھی کہ آدم روئے زمین کی پہلی مخلوق نہیں تھے بلکہ اس سے قبل بھی دیگر مخلوقات تھیں جنہوں نے نزاع، جھگڑا اور خونریزی کی تھی ۔ان سے پہلے کی مخلوق کی بری فائل نسل آدم کے بارے میں فرشتوں کی بدگمانی کا باعث بنی۔

یہ تین تفاسیر ایک دوسرے سے کچھ زیادہ اختلاف نہیں رکھتیں یعنی ممکن ہے یہ تمام امور فرشتوں کی اس توجہ کا سبب بنے ہوں اور دراصل یہ ایک حقیقت بھی تھی جسے انہوں نے بیان کیا تھا یہ وجہ ہے کہ خدا نے جواب میں کہیں بھی اس کا انکار نہیں کیا بلکہ اس حقیقت کے ساتھ ساتھ ایسی مزید حقیقتیں انسان اور اس کے مقام کے بارے میں موجود ہیں جن سے فرشتے آگاہ نہیں تھے۔

فرشتے سمجھتے تھے اگر مقصد عبودیت اور بندگی ہے تو ہم اس کے مصداق کامل ہیں ہمیشہ عبادت میں ڈوبے رہتے ہیں لہٰذا سب سے زیادہ ہم خلافت کے لائق ہیں لیکن وہ اس سے بے خبر تھے کہ ان کے وجود میں شہوت وغضب اور قسم قسم کی خواہشات موجود نہیں جب کہ انسان کو میلانات وشہوات نے گھیر رکھا ہے اور شیطان ہر طرف سے اسے وسوسے ڈالتا رہتا ہے لہذا ان کی عبادت انسان کی عبادت سے بہت زیادہ تفاوت رکھتی ہے۔ کہاں اطاعت اور فرمانبرداری ایک طوفان زدہ کی اور کہاں عبادت ان ساحل نشینوں کی جو مطمئن، خالی ہاتھ اور سبک بار ہیں۔

انہیں کب معلوم تھا کہ آدم کی نسل سے محمد، ابراہیم، نوح، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام جیسے انبیاء

اور ائمہ اہل بیت جیسے امام اور صالح بندے اور جانباز شہید مرد اور عورتیں عرصہ وجود میں قدم رکھیں گے جو پروانہ وار اپنے آپ کو خدا کی راہ میں پیش کریں گے۔ ایسے افراد جن کے غور وفکر کی ایک گھڑی فرشتوں کی سالہا سال کی عبادت کے برابر ہے۔

یہ بات قابل توجہ ہے کہ فرشتوں نے اپنی صفات کے بارے میں تین چیزوں کا سہارا لیا تسبیح، حمد اور تقدیس۔ اس میں شک نہیں کہ تسبیح اور حمد کے معنی ہیں خدا کو ہر قسم کے نقص سے پاک اور ہر قسم کے کمال کا اہل سمجھنا لیکن یہ کہ تقدیس سے کیا مقصود ہے۔

بعض نے تقدیس کے معنی "پروردگار کو ہر قسم کے نقصان سے پاک شمار کرنا" بیان کئے ہیں جو کہ دراصل تسبیح کے معنی کی تاکید ہے۔

لیکن بعض معتقد ہیں کہ تقدیس مادہ "قدس" سے ہے جس کے معنی ہیں روئے زمین کو فاسد اور مفسد لوگوں سے پاک کرنا یا اپنے آپ کو ہر قسم کی بری اور مذموم صفات سے پاک کرنا اور جسم وجان کو خدا کے لئے پاک کرنا لفظ "لک" کو جملہ "نقدس لک" میں اس مقصود کے لئے شاہد قرار دیتے ہیں کیونکہ فرشتوں نے یہ نہیں کہا کہ "نقدسک" یعنی ہم تجھے پاک سمجھیں گے بلکہ انہوں نے کہا "نقدس لک" یعنی تیرے لئے معاشرے کو پاک کریں گے۔

درحقیقت وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اگر ہدف اور غرض، اطاعت اور بندگی ہے تو ہم فرمانبردار ہیں اور اگر عبادت ہے تو ہم ہر وقت اس میں مشغول ہیں اور اگر اپنے آپ کو پاک رکھنا یا صفحہ ارضی کو پاک رکھنا ہے تو ہم ایسا کریں گے جب کہ یہ مادی انسان خود بھی فاسد ہے اور روئے زمین کو بھی فاسد کردے گا۔

حقائق کو تفصیل سے ان کے سامنے واضح کرنے کے لئے خداوندے عالم نے ان کی آزمائش کے لئے اقدام کیا تاکہ وہ خود اعتراف کریں کہ ان کے اور اولاد آدم کے درمیان زمین وآسمان کا فرق ہے۔

★★★★★

اگر آپ کی ممبر شپ ختم ہوگئی ہے تو براہ کرم جلد روانہ فرمائیں

# عید غدیر کے باطنی و معنوی پہلو

آیۃ اللہ العظمی سید علی خامنہ ای دامت برکاتہ

میں تمام مومنین، دنیا بھر کے مسلمانوں اور ان آزاد لوگوں کو عید سعید غدیر کی مبارکباد پیش کرتا ہوں جو ان فضائل و کمالات کے دلدادہ ہیں جو ہمیں صرف امیر المومنین (علیہ الصلاۃ والسلام) ہی کی ذات میں نظر آتے ہیں۔

غدیر کئی لحاظ سے قابل توجہ اور اہم ہے۔ یہ تصور نہیں ہونا چاہئے کہ عید غدیر بھی باقی عیدوں کی طرح ایک عام سی عید ہے اگر چہ ہر اسلامی عید کا ایک ظاہری اور علامتی پہلو ہے اور ایک باطنی اور معنوی! لیکن عید غدیر جیسا باطنی اور معنوی پہلو کسی کا نہیں ہے۔

اس مسئلہ میں ایک رخ تو یہ ہے کہ اسلام کس سمت اور کس رخ سے آگے بڑھے گا یہ ہمارے اعتقاد سے متعلق ہے یعنی یہ ولایت کا پہلو ہے اور دوسرا رخ مسئلہ امامت پر اعتقاد اور امامؑ کے پیغمبر اسلامؐ یا حقیقت میں خدا کی طرف سے منصوب ہونے کا ہے اگر مسلمان تحقیقی نظر سے اس واقعہ کو دیکھیں تو تصدیق کریں گے کہ پیغمبرؐ نے اس کار عظیم یعنی حج سے واپسی کے موقع پر راستہ میں، ایک صحرا میں، اپنی زندگی کے آخری سال میں، ان مقدمات و موخرات کے ساتھ امیر المومنین کا نام لینے اور "من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ" کہہ کر امیر المومنین (علیہ السلام) کا تعارف کرانے کے معنی، پیغمبرؐ کے بعد، اسلام کی ولایت و حکومت کی تعیین کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتے۔

تاریخ گواہ ہے کہ عالم اسلام کے محققین نے اس واقعہ اور پیغمبرؐ کی اس عبارت کے یہی معنی درک کئے اور سمجھے ہیں اس سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام میں حکومت کے معنی یہ نہیں ہیں کہ اسلامی معاشرہ

پر ایک ایسی حکومت قائم ہو جائے جو حکومتی امور اور لوگوں کی زندگی نظم وضبط سے چلانے کی اہل ہو۔ اسلام کی نظر میں صرف اتنی سی بات نہیں ہے بلکہ اسلام میں حکومت کا مطلب امامت ہے۔

امامت کا مطلب جسم وروح دونوں کی قیادت ہے صرف جسمانی قیادت اور لوگوں کی معمولی روزمرہ زندگی چلانا مراد نہیں بلکہ دلوں کی قیادت، قلب وروح کو کمال تک پہنچانا اور افکار اور روحانیت کو اعلی درجات تک لے جانا مراد ہے امامت کا یہ مطلب ہے۔ اسلام یہ چاہتا ہے! دیگر مذاہب میں بھی یہ بات رہی ہے لیکن اس وقت دیگر مذاہب کی کوئی بھی قابل اعتبار چیز انسانوں کے پاس نہیں ہے مگر اسلام کے پاس واضح سند موجود ہے۔

اسلام کی تحریک اور دیگر تحریکوں میں بنیادی فرق یہ ہے کہ اسلام کا وجود انسانی زندگی کی قیادت کے لئے ہے اسلام دنیا اور آخرت دونوں ہی کی تعمیر چاہتا ہے لوگوں کی روزمرہ زندگی کے انتظام و انصرام کے ساتھ ساتھ انسان کی کمال حقیقی تک رسائی بھی اپنے ذمہ لیتا ہے۔ امامت کے یہی معنی ہیں اور اس لحاظ سے خود پیغمبر اکرمؐ بھی امام تھے ایک روایت میں ہے کہ امام باقر (علیہ السلام) نے منٰی میں لوگوں کے درمیان بلند آواز سے فرمایا: "انّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کان ھو الامام" پیغمبر بھی امام تھے۔

امامت یعنی لوگوں کی زندگی میں دین ودنیا کی حکومت! بہرحال یہ اس واقعہ کا ایک رخ ہے یعنی اعتقادی رخ! اور شیعہ اس درخشاں چراغ اور اس واضح منطق کے ذریعہ صدیوں سے انصاف پسند متلاشیان حق کیلئے حق وحقانیت کا اثبات کرتے آئے ہیں۔

تمام تر مشکلات رکاوٹوں اور دباؤ کے باوجود جو شیعہ خود کو باقی رکھ سکے ہیں اس کی وجہ اسی واضح اور مضبوط منطق کی پشتپناہی اور اس پر انحصار ہے اگر یہ منطق نہ ہوتی تو شیعہ بکھر کر ختم ہو جاتے یہ بہت مضبوط منطق ہے۔

واقعہ کا دوسرا رخ اس شخصیت کے معنوی فضائل وکمالات پر توجہ ہے جسے پیغمبرؐ نے اپنے بعد (خلیفہ وامام) معین کیا ہے یعنی امیرالمومنین (علیہ السلام) کے فضائل وکمالات پر توجہ۔ جنہیں پیغمبرؐ نے عہدہ امامت کیلئے منتخب کیا ہے ایک عام انسان کسی شخص کے کمالات کے تمام پہلوؤں

کا اندازہ لگانا چاہے تو یہ اس کے بس سے باہر ہے اس کے لئے الٰہی اور مافوق بشری حساب کتاب کی ضرورت ہے اب اسی قسم کے حساب کتاب کے ذریعہ پیغمبر اکرمؐ نے امیر المومنین (علیہ السلام) کو اس منصب اور مقام کے اہل قرار دیا ہے۔

جب تک زمانہ ہے تب تک اسلام کی حکومت رہے گی مختلف افراد اپنی مختلف صلاحیتوں کے ساتھ حکومت تشکیل دیں گے اسلام کے شروع ہی میں یہ بات طے تھی لہذا اس حکومت کا سرچشمہ جس شخص کے حوالہ کیا جائے اور پوری تاریخ اس سے سیراب ہوتی رہے ضروری تھا کہ وہ امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ کی منزلت کا ہو! یہ سرچشمہ کسی عام انسان کو نہیں سونپا جا سکتا تھا۔ تو سرچشمہ امیر المومنینؑ کے پاس ہے یہی وجہ ہے کہ ہمارے ائمہؑ بھی (اگرچہ اسی منصب پر فائز تھے لیکن انہیں حکومت کا موقع نہیں دیا گیا) امیر المومنین کو نگاہ عظمت سے دیکھتے تھے آئمہ طاہرینؑ امیر المومنینؑ کو آسمان امامت کا سورج اور خود کو ستارہ سمجھتے تھے۔ امیر المومنینؑ ان سے افضل تھے۔

امام حسنؑ اور امام حسینؑ کی اس قدر فضلیت کے باوجود پیغمبرؐ نے فرمایا:

"وابوھما افضل منھما" امام حسنؑ اور امام حسینؑ سے ان کے پدر گرامی زیادہ افضل ہیں یہ ہے امیر المومنین (علیہ السلام) کا مقام!

لہذا ہم خدا کے برگزیدہ بندوں کیلئے جن فضائل وکمالات کے قائل ہیں وہ سب امیر المومنین (علیہ الصلاۃ والسلام) میں موجود تھے اسی لئے پیغمبرؐ نے اس منصب کے لئے ان کا انتخاب کیا۔ یہ دوسرا پہلو ہے جس میں امیر المومنین (علیہ السلام) کے فضائل وکمالات کی طرف توجہ ہے۔

غدیر کا ایک اور پہلو جو ہمارے لئے اس دور میں بہت اہم ہے وہ یہ ہے کہ اسلامی حکومت اور اسلامی معاشرہ کیلئے امیر المومنین (علیہ السلام) کی شخصیت اور جو سماج وہ تشکیل دینا چاہتے تھے نمونہ قرار پانا چاہئے ہمارا آئیڈیل یہ ہے لہذا ہمیں اسی نمونہ عمل کے مطابق عمل کرنا چاہئے کہنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تاریخ میں کچھ ایسے لوگ بھی وجود میں آسکتے ہیں جو امیر المومنینؑ کے ہم پلہ ہوں یا ان سے تھوڑا نچلے درجہ پر فائز ہوں۔ نہیں، یہ مطلب نہیں ہے ہمارے بزرگ ہمارے علماء ہماری ممتاز شخصیات امیر المومنین (علیہ السلام) کے غلام قنبر کے ہم پلہ نہیں ہیں امیر المومنینؑ کے قدموں کی دھول

بھی نہیں بن سکتے یہ حضرات! ہم کسی بھی شخص کا اس ذات گرامی کے ساتھ موازنہ نہیں کر سکتے ہم ایسا نہیں کر سکتے لیکن کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم انہیں نمونہ عمل بنا کر عمل کر سکتے ہیں۔

جب طالب علم کو مشق کے لئے نمونہ دیا جاتا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ وہ بہر صورت وہی تحریر اور وہی نقش ونگار اختیار کر لے، نہیں بلکہ اسے یہ بتایا جاتا ہے کہ تمہیں اس طرح لکھنا ہے اس سمت میں حرکت کرنا ہے تمہارا ہدف یہ ہونا چاہئے اور اسی لحاظ سے تمہیں کوشش کرنا چاہئے اس وقت ہمارے اسلامی معاشرہ کی کوشش وہ کام ہونے چاہئیں جنہیں امیر المومنین (علیہ السلام) انجام دینا چاہتے تھے اور جب موقع ملا تو انہیں انجام دیا آپ دیکھئے کہ امیر المومنین (علیہ السلام) جو نظام تشکیل دینا چاہتے تھے اس کی بنیادیں کیا تھیں ہم انہیں بنیادوں کو مد نظر رکھ قدم آگے بڑھائیں۔

> اسلامی فرقے ایک دوسرے کو چھیڑنے، جذبات بھڑکانے اور آپس میں دشمنی پیدا کرنے سے پرہیز کریں اس وقت ایک بڑا دشمن سامنے ہے جو نہ سنی ہے نہ شیعہ اور نہ ہی کسی اور اسلامی فرقہ سے تعلق رکھتا ہے۔

عدل، اخلاق، توحید، کام میں خدا کو مد نظر رکھنا، سماج کی تمام اکائیوں کو مہربان نظر سے دیکھنا! امیر المومنین (علیہ السلام) اپنے گورنر سے فرماتے ہیں: لوگ یا تمہارے دینی بھائی ہیں یا انسانیت کے لحاظ سے تمہاری ہی جنس سے ہیں۔ آپ ملاحظہ کیجئے کہ اس نگاہ میں کتنی وسعت ہے انسانی اکائیاں! انسان (جو انسان امیر المومنینؑ بنانا چاہتے ہیں) کی تمام انسانی اکائیوں پر مہربان نظر اس طرح کی ہوتی ہے! مہربان نظر!

اس کے بعد گناہ، خلاف ورزی اور خیانت پر سخت اور دوٹوک کاروائی! امیر المومنینؑ اپنے نہایت قریبی افراد کی طرف سے بھی خلاف ورزی، خیانت اور دین خدا سے انحراف برداشت نہیں کرتے تھے مہربانی اپنی جگہ اور دوٹوک قانونی کاروائی اپنی جگہ! امیر المومنین (علیہ السلام) کا یہ طریقہ کار تھا اور یہی ہمارے لئے نمونہ عمل ہے ممکن ہے ہم اس ہدف تک پہنچنے کے سلسلہ میں دوسرے

تیسرے درجہ سے ہی آگے نہ بڑھ پائیں اگر مثلاً دس درجہ ہوں تو! لیکن اسی راہ پر چلنا ضروری ہے ہمارا ہدف یہی ہو! غدیر کا یہ مطلب ہے! ہم غدیر کو جو زندہ رکھنا چاہتے ہیں یہ صرف عقیدتی اور امیر المومنین (علیہ السلام) کی فضیلت کے لحاظ سے نہیں ہے اس کی بھی بہت اہمیت ہے ہمیں یہ کبھی نہیں بھولنا چاہئے کہ ہمارا سماج علوی سماج ہے ہماری تمنا ہے کہ ہم بھی اس سماج میں شامل ہو جائیں جو امیر المومنین (علیہ السلام) تشکیل دینا چاہتے تھے لہذا ہمیں ان بنیادوں کی رعایت کرنا ہوگی۔

اس واقعہ کا ایک پہلو یہ ہے کہ امیر المومنین (علیہ السلام) نے اپنی تمام تر فضیلت کے باوجود، اپنے اس حق امامت کے اس قدر واضح ہونے کے باوجود جو انہیں پیغمبرؐ اور خدا نے عطا کیا تھا جب دیکھتے ہیں کہ اسلامی معاشرہ کمزور ہے اگر وہ اپنے حق کیلئے قیام کرتے ہیں، اپنے حق کا مطالبہ کرتے ہیں تو ممکن ہے اسلام خطرہ میں پڑ جائے تو گوشہ نشین ہو جاتے ہیں یہ بھی ایک اہم مسئلہ ہے کہ آپ صرف الگ ہو کر بیٹھ ہی نہیں گئے یعنی یہ نہیں کہ مسلمانوں میں اختلاف پیدا نہ ہو اس وجہ سے اپنے حق کا صرف مطالبہ نہیں کیا بلکہ ان لوگوں کے ساتھ تعاون بھی کیا جو ان کی نظر میں منصب حق کے اہل نہیں تھے اور اسلامی معاشرہ پر حکومت کر رہے تھے آپ نے جب دیکھا کہ اسلام کو اس چیز کی ضرورت ہے تو آپ نے اپنا حق قربان کیا یہ ایک اور سبق ہے (غدیر کا) یہ علوی سبق ہے۔

اس وقت دنیائے اسلام میں ہماری منطق قوی ترین منطق ہے اس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے شیعوں کی منطق امامت وولایت کی منطق ہمیشہ اور ہر دور میں ایک قوی ترین منطق رہی ہے لیکن اس کے باوجود کہ ہم اپنی اس منطق اور رفتار و گفتار پر مکمل یقین رکھتے ہیں، عالم اسلام کے تمام بھائیوں کو خواہ کسی بھی فرقہ و مذہب سے تعلق رکھتے ہوں اتحاد اور اخوت کی دعوت دیتے ہیں اور یہ نہیں چاہتے کہ اختلاف پیدا ہو دوسروں کی نفی کر کے خود کو ثابت نہیں کرنا چاہتے یہ ایک نہایت اہم نکتہ ہے اور یہی اسلامی یکجہتی سے مراد ہے۔

یہ عین وہی دروازہ ہے جہاں سے دشمنان اسلام دراندازی کر کے امت مسلمہ کو زیادہ کمزور کرنا چاہتے ہیں سالہا سال تک انہوں نے عالم اسلام اور مسلمان حکومتوں کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھا کر اسلامی دنیا کے اندر جو دل چاہا کیا مسلم علاقوں میں جو چاہا انجام دیا اب جب مسلم اقوام بیدار ہو چکی

ہیں اور عالم اسلام کے ایک حصہ یعنی اسلامی ایران میں عوام کی موجودگی اور اقتدار کے ذریعہ اتنی عظمت وسربلندی ملی ہے اور دوسری اقوام بھی روز بروز بیدار ہوتی جارہی ہیں تو استکبار یعنی وہی ابدی دشمن پھر سے پوری ذلت کے ساتھ اسلامی دنیا کے اندر اختلاف کا وائرس پھیلانا چاہتا ہے، اختلافات میں شدت لانا چاہتا ہے اس کا مقابلہ کرنے کی ضرورت ہے یہ بھی غدیر کا ایک سبق ہے یہ بھی امیر المومنین (علیہ السلام) کا ایک درس ہے۔

جن لوگوں نے اسی وقت امیر المومنین (علیہ السلام) کے پاس آکر کہا کہ یا علیؑ حق آپ کے ساتھ ہے ہم یہ کریں گے وہ کریں گے آپ کی حمایت کریں گے آپ ان کے دباؤ میں مت آیئے، امیر المومنین (علیہ السلام) نے سب کو واپس کردیا اور اگر قیام کرنا چاہتے اپنے حق کا دفاع کرنا چاہتے تو انہیں کسی کی ضرورت بھی نہیں تھی (اکیلے ہی کافی تھے) لیکن آپؑ نے دیکھا کہ اسلامی معاشرہ اس اختلاف اور ٹکراؤ کو برداشت کرنے کی سکت نہیں رکھتا لہذا آپ الگ ہٹ گئے یہ بھی ہمارے لئے ایک سبق ہے۔

اختلافات کو پھر سے ہوا نہیں ملنی چاہئے، ان میں تازگی نہیں آنی چاہئے اسلامی فرقوں کو ایک دوسرے کے مقدسات جو کہ ہر فرقہ کے لئے حساس ہیں کی توہین نہیں کرنی چاہئے۔ طے ہے کہ حساس پوائنٹ پر انگلی رکھنے اور اسے چھیڑنے سے دوسرے کے جذبات بھڑک اٹھتے ہیں اور پھر اس کا نتیجہ پوری دنیائے اسلام کے اختلاف کی صورت میں نکلتا ہے ہمارا یہ کہنا ہے کہ اختلاف نہیں ہونا چاہئے۔

عالم اسلام کے ہر ہمدرد کا یہی کہنا ہے کہ اسلامی فرقے ایک دوسرے کو چھیڑنے، ایک دوسرے کے جذبات بھڑکانے اور آپس میں دشمنی پیدا کرنے سے پرہیز کریں اس وقت ایک بڑا دشمن سامنے ہے جو نہ سنی ہے نہ شیعہ اور نہ ہی کسی اور اسلامی فرقہ سے تعلق رکھتا ہے وہ شیعوں کے پاس جاکے کچھ کہتا ہے، سنیوں کے پاس جاتا ہے تو کچھ اور کہتا ہے اور یہ سب کرکے ان کے درمیان اختلاف اور لڑائی جھگڑا بنانا چاہتا ہے اس دشمن سے بچ کے رہنے کی ضرورت ہے۔

ایرانی قوم خدا کی توفیق سے ستائیس، اٹھائیس سال سے اس سرزمین پر اسلامی پرچم لہرا رہی ہے خدا کا شکر ہے کہ اس نے استکباری سازشوں کے جواب میں وہ طریقہ اپنایا ہے کہ استکبار ایرانی قوم

کے مقابلہ میں اپنی ہر چال میں ناکام ہوا ہے۔

اسلامی جمہوریہ کے خلاف استکباری سازشوں کی فہرست بنائی جائے تو بلا استثنا ان سب میں بڑے بڑے دعوے کرنے والے مغروروں ہی کی شکست ہوئی ہے ہمارا کوئی دعوی نہیں تھا لیکن ہم اپنی مسلمان عوام کے ایمان، خدا پر توکل اور اپنی میدان میں موجودگی کی برکت سے اور اس بات کی برکت سے کہ ہم صرف اپنی ذمہ داری پوری کرنا چاہتے تھے ہمیں ہر مسئلہ میں شور شرابہ کرنے والی استکباری مشینری پر برتری ملی یہ لوگ انواع واقسام کے اختلافات پھیلانا چاہتے تھے لیکن ناکام رہے ہمیں ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔

میرے عزیزو! اسی راہ پر چلتے رہنے کا طریقہ یہ ہے کہ ہم اپنے دشمن سے غافل نہ ہوں ہر مسئلہ میں ہمیں اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ ایک دشمن ہے جو ہماری غفلت سے فائدہ اٹھا کر ہمیں نقصان پہنچا سکتا ہے یہ طریقہ ہمیں قرآن کریم سکھا رہا ہے آپ ملاحظہ کیجئے کہ قرآن مجید میں کتنی بار شیطان کا نام آیا ہے ایک بار کہہ دیا جاتا کہ ایک شیطان ہے تو بات ختم ہوجاتی لیکن یہ بار بار تذکرہ اس لئے ہے کہ انسان اپنی زندگی میں (جو کہ چیلنج اور جنگ سے بھری ہے) کبھی بھول نہ جائے کہ اس کا ایک دشمن ہے اور ممکن ہے وہ نقصان پہنچائے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ ہم دشمن سے غافل نہ ہوں خدا ہمارا مددگار ہے یہ ذہن میں رہے میدان میں حاضر رہنے کی ذمہ داری سے غافل نہ ہوں یہ نہایت اہم اور مؤثر ہے۔

پروردگار انشا اللہ اس عید کو پوری قوم کے لئے مبارک قرار دے اور اپنے بلند اسلامی اہداف سے قریب ہونے کو عیدی قرار دے۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

★★★★★

صاحبان قلم اور شعراء کرام سے گذارش ہے کہ اپنے رشحات قلم ارسال فرما کر تبلیغ دین میں تعاون فرما کر شکریہ کا موقع دیں۔

# افلا یتفکرون

## اسلام میں عقل کی اہمیت

پروفیسر سید فرمان حسین صاحب

محمد ابن سلیمان دیلمی اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے امام جعفر صادقؑ سے عرض کیا :

”فلان من عبادة و فضله کذا فقال کیف عقله قلت لا ادری فقال ان الثواب علی قدر العقل ان رجلا من بنی اسرائیل کان یعبدالله فی جزیرة من جزائر البحر خضراء نضرة کثیرة الشجر ظاهرة الماء و ان ملکا من الملائکة مر به فقال یارب ارنی ثواب عبدک هذا فاراه الله ذالک فاستقله الملک فاوحی الله الیه ان اصحبه فاتاه الملک فی صورة الانسی فقال له من انت قال انا رجل عابد بلغنی مکانک و عبادتک فی هذا المکان فاتیک لاعبدالله فکان معه لومه ذالک فلما اصبح قال له الملک ان مکانک نضرة و مایصلح الا للعبادة فقال له العابد ان لمکاننا هذا عیبا فقال له و ماهو قال لیس لربنا فلو کان له حمار رعیناه فی هذا الموضوع فان هذا لحشیش یضیع فقال له الملک و مالربک حمار فقال لو کان له حمار ماکان یضیع مثل هذا الحشیش فاوحی الله الی الملک انما اثیبه علی قدر عقله“

”کہ فلاں شخص کی عبادت اور دین الیا ایسا ہے آپ نے فرمایا کہ اس کی عقل کیسی ہے انہوں نے کہا کہ یہ تو میں نہیں جانتا آپ نے فرمایا کہ ثواب تو عقل کے حساب سے ہی ملتا ہے بنی اسرائیل میں سے ایک شخص سمندر کے جزیرہ ہرا بھرا گھنے درختوں اور شفاف پانی والا تھا ملائکہ میں سے ایک فرشتہ اس کے پاس سے گذرا اور اس نے کہا اے پروردگار تو مجھے اپنے اس بندے کا ثواب دکھا دے۔

اسے اللہ نے اس کا ثواب دکھادیا اس ثواب کو فرشتہ نے کم محسوس کیا اللہ نے اس کی طرف وحی کی کہ تو اس کے پاس قیام کر فرشتہ بشری شکل میں اس کے پاس آیا اس شخص نے پوچھا تم کون ہو اس نے کہا میں ایک مرد عبادت گذار ہوں مجھے تیرے مرتبہ اور اس مقام پر تیری عبادت کے بارے میں خبر ہوئی تو میں تیرے پاس آیا کہ میں تیرے ساتھ اللہ کی عبادت کروں وہ فرشتہ ایک دن اس کے ساتھ رہا جب صبح ہوئی تو فرشتہ نے کہا کہ تیار یہ مسکن بہت اچھا ہے اور عبادت کے لئے مناسب ہے۔ اس شخص نے کہا کہ ہمارے اس مقام میں ایک عیب ہے۔ فرشتہ نے کہا کہ وہ کیا ہے؟ اس نے کہا کہ ہمارے پروردگار کا کوئی جانور نہیں ہے اگر اس کا کوئی گدھا ہوتا تو ہم اسے اس جگہ پر چراتے کیوں کہ گھاس ضائع ہو رہی ہے۔ فرشتہ نے کہا کہ کیا تیرے رب کا کوئی گدھا ہے اس نے کہا کہ اگر گدھا ہوتا تو ایسی گھاس ضائع نہ ہوتی اللہ نے فرشتہ کو وحی کی کہ میں اسے ثواب اس کی عقل کے مطابق ہی دیتا ہوں۔"

ہشام ابن حکم سے امام موسی بن جعفر نے ایک طویل حدیث میں عقل کے بارے میں اس طرح فرمایا ہے:

"ان اللہ علی الناس حجتین حجۃ ظاھرۃ و حجۃ باطنۃ فالعقول" ۱۱۴۔

"بندوں پر اللہ نے دو حجتیں قائم کیں ہیں۔ ایک حجت ظاہرہ اور ایک حجت باطنہ حجت ظاہرہ رسول، نبی اور امام ہیں اور حجت باطنہ عقل۔ امام رضاؑ کے بارے میں حسن ابن جہم کہتے ہیں کہ آپ نے فرمایا۔

"لایعبأباھل الدین ممن لاعقل لہ" ۱۱۵۔

"نہیں پروا کی جاسکتی اس اہل دین کی جس کے پاس عقل نہ ہو"

قرآن مجید اور عقل سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام میں عقل کس بلند درجہ پر فائز ہے اس کو انسانیت کا جوہر کامل حجت یافتہ اور موضوع احکام الہیہ قرار دیا گیا ہے لیکن اس مقام پر اس بات کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے کہ عقل خود مستقل طور پر رہنمائے کامل نہیں ہے وہ بہت سے عوامل سے متاثر ہو کر اپنے صحیح مقام سے ہٹ جاتی ہے اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل امور قابل غور ہیں۔

(۱) عقول: اپنے ادراکات، احکام اور خیر وشر کا اندازہ لگانے میں مختلف ہیں۔ بعض عقول ان چیزوں کو مستحسن سمجھتے ہیں جنہیں دوسرے اچھا نہیں سمجھتے اور بعض عقول ان امور کو برا سمجھتے ہیں جنہیں دوسرے برا نہیں سمجھتے ہیں۔ عہد حاضر ہی میں کہ خود طرز حکومت کے بارے میں عقلیں متفق نہ ہوسکیں عقل کے دعویداروں میں سے کوئی جمہوریت چاہتا ہے کہ کوئی شخصی سلطنت، کوئی پارلیامانی نظام چاہتا ہے تو کوئی صدارتی طرز حکومت اور کوئی ان سب سے الگ ہوکر آمریت کا دم بھرتا ہے۔ اس طرح عقلیں اس جوہر کامل کو تلاش نہ کرسکیں جو انسانی زندگی کو بہتر نظام دے سکتا۔

> مذہب عقل کو بے کار شئے نہیں سمجھتا بلکہ وہ اس کو باطن کی ایک ایسی روشنی تسلیم کرتا ہے جو رہنما اور رہبر تو ضرور بن سکتی ہے حق و باطل میں امتیاز بھی کرسکتی ہے۔ مگر اس کے لئے وہ باہر کی روشنی (وحی الٰہی) کی محتاج ہے۔

(۲) عقلوں پر اکثر جذبات کا بھی غلبہ ہوجاتا ہے کیونکہ کہ بہت سے قوانین فکر وعقل کی اساس پر وضع کئے جاتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ یہ نوع بشر کی سلامتی اور حفاظت کے لئے ہیں۔ ان کے ذریعے حقوق انسانیت کی محافظت ہوگی۔ مگر کچھ ہی عرصہ گذرنے پر اندازہ ہوجاتا ہے کہ ان قوانین کا سبب محض شخصی رغبت یا کوئی عصبی نشانہ تھا اس کو مصلحت عامہ کا لباس محض فریب اور دھوکے کے لئے پہنایا گیا۔

(۳) عقل اپنے ادراکات میں محدود ہے اس کو آنے والے کل کے حوادث کی کوئی خبر نہیں ہے اور نہ مستقبل کے تقاضوں کی۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ آج ایک قانون بنایا جاتا ہے مگر تھوڑے عرصہ کے بعد اس کا نقص ظاہر ہوجاتا ہے اس لئے یا تو اس میں ترمیم کی جاتی ہے یا اس کے بجائے کوئی دوسرا قانون بنایا جاتا ہے اور پھر کچھ عرصہ گزر جانے کے بعد اس دوسرے قانون کا بھی وہی حشر ہوتا ہے جو پہلے کا ہوا تھا۔

(۴) فرانسیسی فلاسفر دی کارت (۱۶۵۰ء۔ ۱۵۹۴ء) جو فلسفہ جدید کا بانی سمجھا جاتا ہے اور

اس نے علم وفلسفہ کی راہ پر چلنے والوں کے لئے بہت سے نئے مبادی وضع کئے ہیں۔جن میں سے ایک یہ ہے ''کسی شی کو اس وقت کا تسلیم نہ کیا جائے جب تک عقل اس کی تفتیش اور اس کے وجود کی تحقیق نہ کرلے پس جو شی اتفاقی یا تخمینی معلومات پر مبنی ہو یا جس کا وجود صرف عرف پر مبنی ہو اس کو ہرگز نہ تسلیم کیا جائے''۔

اس کے اس اصول کی روشنی میں یہ کہنے میں بالکل تامل نہیں ہے کہ عقل بھی کبھی کبھی اوہام اور فاسد افکار میں ملوث ہوجاتی ہے اس لئے اس کے احکام ماضی کے واقعات، حال کے مشاہدات اور مستقبل کے دور رس سے نتائج اخذ کرنے کے بعد تخمین اور ظن غالب کی صورت میں صادر ہوتے ہیں۔ نیز وراثت اور ماحول سے متاثر ہوکر اس کے احکام میں نت نئے انقلابات ہوتے رہتے ہیں اس لئے عقل کی تمام خوبیوں کے باوجود اس کو وہ مقام نہیں دیا جاسکتا کہ اس کے علاوہ کسی اور چیز کی ضرورت ہی نہ رہے۔

اس کے لئے ضروری ہے کہ عقل کو جذبات میں بہکنے سے روکنے کے لئے اور اس کو حقیقت تک پہنچانے کے لئے کوئی ایسی چیز ہو جو یقین اور علم حقیقی کی اساس پر قائم ہوتا کہ یقین وعلم حقیقی کو تخمین وظن پر غلبہ رہے اور یہ چیز وحی الٰہی کے علاوہ کوئی دوسری نہیں ہوسکتی جو عقل کو سلیم اور فکر کو مستقیم رکھتی ہے۔لہٰذا مذہب عقل کو بے کار شئے نہیں سمجھتا بلکہ وہ اس کو باطن کی ایک ایسی روشنی تسلیم کرتا ہے جو رہنما اور رہبر تو ضرور بن سکتی ہے حق وباطل میں امتیاز بھی کرسکتی ہے۔مگر اس کے لئے وہ باہر کی روشنی (وحی الٰہی) کی اس طرح محتاج ہے جس طرح آنکھ کے اندر کی روشنی مشاہدے کے لئے خارجی روشنی کی محتاج ہے۔

عقل اسی وقت اپنا صحیح کام کرسکتی ہے جب وہ قرآن مجید اور احادیث کی روشنی سے کسب فیض کرتی رہے۔

★★★★★

ہدی مشن معارف دین اور حقاءق تشیع سے لوگوں کو روشناس کرانے میں مصروف ہے۔اپنے احباب سے ہدی مشن کا تعارف کرائیں اور تعاون فرما کر کاروان تبلیغ میں شامل ہوں

حجۃ الاسلام والمسلمین مولانا محمد حسن معروفی صاحب

الفاظ جہاں افہام وتفہیم کا ذریعہ ہیں وہیں اپنے اعضا وجوارح نیز اپنے وجود سے ماورا، تمام معقول ومحسوس اشیاء کو نام اور شناخت الفاظ ہی عطا کرتے ہیں اور ان الفاظ کو ترتیب وترکیب کے ساتھ ذہن انسانی میں موجود زبان کے ذریعہ ادائیگی یا قلم کے ذریعہ تحریر کو بھی زبان کا نام دیا جاتا ہے دنیا میں ہزاروں زبانیں بولی جاتی ہیں اور سیکڑوں زبانوں کو تحریر کا لباس مل چکا ہے اور رسم الخط پانے والی اکثر زبانوں میں لاکھوں کتابیں آج لائبریریوں کی زینت بنی ہوئی ہیں اور ہر زبان کے اکثر وبیشتر الفاظ ومحاورات کے معانی ومفاہیم اور مصادیق طے کر دیے گئے جنہیں ''معانی'' کہا جاتا ہے اور الفاظ ومعانی کے مجموعہ کو کتاب اللغت کہا جاتا ہے۔

یہ بات روز روشن کی طرح واضح اور عیاں ہے کہ زبان منجمد پہاڑ نہیں بلکہ رواں دواں نہر وندی کے مانند ہے اس لئے بہت سارے الفاظ کے خروج وشمول سے نیا خوبصورت اور زود فہم اسلوب وجود میں آتا ہے جس سے تقریر وتحریر کا رنگ روپ بھی بدلتا رہتا ہے۔ الفاظ کے ساتھ ایسا ہی ہوتا ہے کہ کبھی کسی دور عہد میں ایک یا چند الفاظ کسی مسلک ومذہب یا کسی خاص علم وفن سے مخصوص ہو کر خاص معانی ومفاہیم میں استعمال ہونے لگتے ہیں۔ ایسے معانی ومفاہیم کو ''اصطلاحی'' معانی ومفاہیم کہا جاتا ہے جیسے مجلس، ماتم، تعزیہ وغیرہ کے ''عزائی اصطلاح'' میں الگ معانی ہیں اور لغت کے اعتبار سے الگ اور حج، زکوٰۃ، صلوٰۃ وغیرہ کے ''فقہی اصطلاح'' میں بالکل الگ معانی ہیں اور کتاب اللغت میں الگ

اردو اسم بامسمیٰ زبان ہے جیسے ایک لشکر ڈھیروں افراد کے اجتماع سے تشکیل پاتا ہے اسی طرح

اردو زبان بھی بہت ساری زبانوں کے اختلاط سے وجود میں آئی ہے جسکی عمر دوسری رائج زبانوں کے مقابل بہت کم ہے لیکن اپنی تمامتر نکھرتی خوبیوں کی وجہ سے اپنے وجود کو دنیا میں بہت حد تک منوالیا ہے اور آج دنیا میں افہام وتفہیم اور ابلاغ وتبلیغ کی زبانوں میں اردو زبان کو بھی ایک مقام حاصل ہے۔

اب آیئے اس مضمون کے عنوان میں شامل چار الفاظ جنکے بنیادی حروف" الف، دال اور با" ہیں مگر مکتوبی شکل وصورت الگ الگ ہے اس لئے انکے معانیٰ ومصادیق بھی جدا جدا ہیں اور یہ چاروں الفاظ احادیث معصومین علیھم السلام میں آئے ہیں۔ ان میں غور وفکر کریں کہ معانی مصادیق کیا ہیں۔

## ادب کیا ہے

صاحب، مصباح اللغات، لفظ ''الادب'' کے ضمن میں لکھتے ہیں ناشائستہ باتوں سے روکنے والے اخلاقی ملکہ (یعنی قدرت وصلاحیت) کو ادب کہا جاتا ہے اور ادب کا دوسرا معنیٰ ''زیرکی وخوش طبعی'' بھی ہے۔ ''ادب'' کی جمع آداب ہے لیکن لفظِ آداب کا اطلاق علوم ومعارف پر بھی ہوتا ہے اور کسی چیز یا کسی شخص کے مخصوص قوانین کے لیے بھی لفظِ آداب بولا جاتا ہے جیسے آداب مجلس، آداب درس، آداب دسترخوان وغیرہ اور بول چال نیز تحریر کی غلطیوں سے بچانے والے علم کو ''ادب'' کہا جاتا ہے۔

کچھ مغربی دانشوروں نے مل کر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی ذات والا صفات سے متعلق ایک کتاب ''سُپر مین اِن اسلام'' تحریر کی ہے جس کا اردو ترجمہ بھی دستیاب ہے اس میں علم وادب سے متعلق امام صادق علیہ السلام کے فرمودات کو اس طرح نقل کیا ہے۔

''ادب ایک لباس سے عبارت ہے جو تحریر یا تقریر کو پہناتے ہیں تا کہ سننے یا پڑھنے والے کے لیے کشش پیدا ہوا'' (سُپر مین اِن اسلام ص: ۱۹۴)

اسی صفحہ کے آگے نقل کرتے ہیں کہ:

''ہر علم میں ادب ہے لیکن ممکن ہے ہر ادب میں علم نہ ہو'' اور اسی کتاب میں یہ قول تحریر ہے ''ہر وہ چیز جو آدمی کو کچھ سکھائے وہ علم ہے''۔ (سُپر مین اِن اسلام ص: ۱۹۹)

## احادیث میں لفظِ ادب

عزرالحکم اور میزان الحکمۃ میں ''موضوع ادب'' کے تحت ایک ہی جگہ پر سرکار مولائے کائنات حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے بہت سارے اقوال وفرامین ذکر ہوئے ہیں جن میں سے چند پیش خدمت ہیں۔

- "الادب کمال الرجل" ادب انسانی کمال کا نام ہے۔
- "الادب احسن سجیۃ" ادب بہترین خصلت ہے۔
- "افضل الشرف الادب" بہترین شرف وعزت ادب ہے۔
- "اشرف حسبٍ حسن الادب" بہترین خاندانی شرافت و افتخار حسنِ ادب ہے۔
- "علیک بالادب فانہ زین الحسب" ادب سیکھو! کیونکہ ادب خاندانی شرافت کی زیب وزینت ہے۔
- "لاحلل کالآداب" ادب سے بہتر کوئی پوشاک نہیں۔
- "ان بذوی العقول من الحاجۃ الی الادب کمایظمأ الزرع الی المطر"

صاحبان عقل کو ادب کی اتنی ہی ضرورت ہے جتنی کھیتی کو پانی کی ضرورت ہوتی ہے۔

- "الادب صورۃ العقل" ادب عقل کی تصویر ہے۔

یہ صرف احادیث واقوال نہیں ہیں بلکہ درحقیقت ہر قول اپنی جگہ ''خود یابی'' و ''خودشناسی'' کے لیے آئینہ ہے ذرا ''ادب'' کے لغوی معنی کو سامنے رکھئے۔ صاحب مصباح اللغات نے ''ادب'' کو ناشائستہ باتوں سے بچانے والے اخلاقی ملکہ یعنی برائیوں سے بچانے والی قوت وقدرت بتایا ہے پھر احادیث پڑھتے جایئے تو یقین بڑھتا چلا جائیگا کہ یقیناً ادب، انسانی کمال، بہترین خصلت، عالی ترین شرافت، خاندانی زیب وزینت، بہترین لباس اور عقل کی تصویر ہے۔۔۔۔۔۔۔۔اور اب اپنے کو ڈھونڈھیں کہ ادب مجھ سے یا میں ادب سے کتنا یا کس قدر دور یا قریب ہوں۔

اگر قریب ہیں تو ''اقرب'' ہونے کے لیے اور اگر دور ہیں تو قریب ہونے کے لئے بے چینی یا

مایوسی سے بچنے کے لئے طاقت بنائیں۔

### ادیب کون؟

ہر زبان حروف و اسماء و افعال سے مرکب ہوتی ہے مختلف مقصود و معانی کے حصول کے لئے افعال کی شکل و صورت بدلتی رہتی ہے جسکی تفصیل ''علم صرف'' میں مذکور ہے۔ ہر فعل میں حداقل تین بنیادی حروف ہوتے ہیں انکے بیچ والے حرف پر زیر زبر یا پیش آنے سے ابواب بنتے ہیں اور وہ ابواب ان حروف کو معانی عطا کرتے ہیں۔ ادب، ادیب، مودب اور تادیب میں بنیادی حروف الف، دال اور با ہیں اگر ان تینوں حروف کو ''علم صرف'' کے باب کَرُمَ یکرُمُ یعنی اَدُبَ یا دُب سے استعمال کیا جائے تو معنی ''زیرک و دانشمند ہونا یا صاحب ادب ہونا'' ہوگا اور لفظ ''ادیب'' صفت کا مظہر ہوگا اور یہ بات اپنی جگہ طے شدہ ہے کہ اگر صفت کسی ذات میں بطور ثبوت موجود ہو تو اسکو ''صفتِ مشبہ'' کہا جاتا ہے اس طرح ''ادیب'' وہی ہوسکتا ہے یا اسکو ہی لکھا یا کہا جاسکتا ہے جس میں زیرکی و دانشمندی اور تحریر و تقریر میں غلطیوں سے بچنے کی صفت وصلاحیت بطور ثبوت موجود ہو۔

> عظیم مؤدب وہی ہیں جنکی تربیت اللہ نے فرمائی ہے انکے بعد واقعی مودب وہ ہیں جنہیں معصومین علیھم السلام نے تربیت دی ہے انکے بعد باشرف وہ لوگ جنہوں نے تربیت معصوم میراث میں حاصل کی ہے۔

الف، دال، با ''علم صرف'' میں اگر ضَرَبَ یَضرِبُ کے باب سے اَدَبَ یا دِبُ استعمال ہو تو اس کا معنی ہوگا۔ دعوت کا کھانا تیار کرنا، دعوت میں بلانا، اور اس باب سے صفت مشبہ کا صیغہ نہیں آتا اس لئے صفت مشبہ کا صیغہ صرف ابوابِ لازمہ سے آتا ہے ورنہ ہر باورچی ''ادیب'' ہوجائیگا۔

### احادیث میں ادیب

علمِ زبان کے ادب میں ادیب اسی کو کہا جاتا ہے جو شیفتۂ ادب اور ادب کا دلدادہ ہو۔ سرکار

مولائے کائنات حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام فرماتے ہیں

● "مَن کَلِفَ بالأدبِ قَلَّتْ مَساوِیہِ" جوادب کا دلدادہ ہوگا اس سے برائیاں کم سرزد ہونگی۔ (میزان الحکمۃ)

یعنی اس قول کی روشنی میں کہہ سکتے ہیں کہ جو جتنا پاکدامن ہوگا وہ اتنا ہی بڑا ادیب ہوگا مولا علیؑ نے ادب کی تفسیر اس طرح فرمائی ہے۔

● "کَفَاكَ أدباً لنفسِكَ اجتِنابُ ماتَکرهُهُ مِن غیرِكَ"

صاحب ادب یعنی ادیب ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ تم اپنے کو ان باتوں سے محفوظ رکھو جنکو تم دوسروں سے ناپسند کرتے ہو۔ (میزان الحکمۃ)

اور آپؑ کا یہ بھی فرمان ہے "إذا زادَ عِلمُ الرَّجلِ زادَ أدبُہُ، و تضاعَفَتْ خَشیتُہ لرِبّہِ"

علم میں اضافہ سے ادب بڑھتا ہے اور خوف خدا دو برابر ہوجاتا ہے۔ (میزان الحکمۃ)

ان فرامین سے پتہ چلتا ہے کہ انسان جتنا روحانی و معنوی اعتبار سے بلند ہوگا اتنا برتر ادیب بھی ہے یعنی تربیت یافتہ ہے۔

## مودب کون

ا۔د۔ب کو اگر باب تفعیل میں استعمال کیا جائے یعنی اَدَّبَ یُؤَدِّبُ تادیباً کہا جائے تو تادیب کے مندرجہ ذیل معانی ہونگے۔

مہذب بنانا۔شائستہ بنانا۔ادب سکھانا۔جرم پر سزا دینا مذکورہ چار معانی میں سے تین معانی میں یکسانیت ہے یعنی تہذیب و شائستگی و ادب بہت قریب قریب کے صفات حسنہ ہیں۔احادیث میں مذکورہ تین معانی کے لیے تادیب کا لفظ زیادہ تر آیا ہے جیسے حضرت امام صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے:

●"إنَّ اللہَ عزَّ و جلَّ أدَّبَ نبیَّہ فأحسنَ أدبَہُ، فلَمّا أکمَلَ لَہُ الأدبَ قالَ: "و إنَّكَ لَعلَى خُلُقٍ عظیمٍ" ثُمَّ فَوَّضَ إلیہِ أمرَ الدِّینِ و الأُمّۃِ لِیَسُوسَ عِبادَہُ"

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے پیامبر کی تربیت کی اور بہترین تربیت فرمائی اور جب مکمل ادب سے مزین فرما دیا تب کہا ''آپ خلق عظیم پر فائز ہیں'' اس کے بعد دین اور امت کے امور

حوالے کئے۔ (میزان الحکمۃ)

خود سرکار نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

"أنا أديبُ اللهِ، و عَليٌ أديبي"

میں تربیت یافتہ الٰہی ہوں اور علیؑ نے مجھ سے تربیت پائی ہے۔ (میزان الحکمۃ)

اور مولا علی علیہ السلام کا ارشاد ہے:

"إنَ رسولَ الله صلى الله عليه و آله أدّبَهُ الله عزّ و جلّ، و هو أدّبَني، و أنا أؤدِّبُ المؤمنينَ، و أورِثُ الأدبَ المُكرَمينَ" رسول تربیت یافتہ پروردگار ہیں اور میری رسولؐ نے تربیت کی ہے اور میں مومنین کو تربیت دیتا ہوں اور باشرف لوگوں کو ادب کی میراث عطا کرتا ہوں۔ (میزان الحکمۃ)

مذکورہ احادیث سے واضح ہے "مودب" تربیت یافتہ کو کہتے ہیں عظیم مؤدب وہی ہیں جنکی تربیت اللہ نے فرمائی ہے انکے بعد واقعی مودب وہ ہیں جنہیں معصومین علیھم السلام نے تربیت دی ہے انکے بعد باشرف وہ لوگ جنہوں نے تربیت معصوم میراث میں حاصل کی ہے۔

## تادیب کیا ہے

تادیب کے معانی ہیں ایک معنیٰ "جرم پر سزا دینا" بھی ہے اس معنیٰ میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے تادیب، بلا ومصائب ومشکلات کے نزول کی صورت میں ہوتی ہے البتہ مبتلاء بلا کی حیثیت سے تادیب کے نام الگ الگ ہیں جیسا کہ مولا علیؑ فرماتے ہیں: "إنّ البلاءَ للظّالمِ أدبٌ، و للمؤمنِ امتحانٌ، و للأنبياءِ دَرَجةٌ، و للأولياءِ كَرامةٌ"۔ بلا ظالم کے لئے سزا، مومنین کے لیے امتحان، انبیاء کے لیئے درجہ اور اولیاء کے لیے کرامت وعزت ہے۔ (میزان الحکمۃ)

اور امام صادق علیہ السلام کا فرمان ہے:

"أيّما ناشٍ نَشأ في قومِهِ ثمّ لم يؤَدَّبْ على معصيتِهِ كانَ اللهُ عزّ و جلّ أوّلُ ما يُعاقِبُهم فيهِ أن ينقُصَ مِن أرزاقِهِم" کوئی جوان اپنی قوم میں پروان پانے کے دوران گناہ کرے اور قوم اسکے گناہ پر تادیب نہ کرے تو اللہ انہیں انکے رزق میں کمی کر کے سزا دیتا ہے۔ (میزان الحکمۃ)

★★★★★

# فخر سے کہو ہم شیعہ ہیں

عالیجناب مولانا پیغمبر عباس نوگانوی صاحب

شیعہ مذہب! نہایت صاف ستھرا، عقلی، منطقی اور نجات کا ضامن مذہب ہے جس میں تلاش کرنے کے باوجود بھی نقص نظر نہیں آئے گا، لیکن دانا دشمن نے نادان دوستوں کو اس مذہب کی بیخ کنی کے لئے میدان میں اتار دیا ہے، جس کا مرکز پاکستان کے صوبہ پنجاب کو بنایا ہوا ہے اور وہ تمام علمی و روحانی اصطلاحیں جو معصومین یا ان کے نائبین نے شیعہ مذہب کے پیروکاروں کو عطا کی تھیں انہیں پاکستانی پنجاب کے جاہل، چرسی اور نشیڑیوں کی ایجاد کردہ اصطلاحوں سے تبدیل کیا جارہا ہے جو بے حد خطرناک ثابت ہورہا ہے۔

رسول اسلامؐ اور اہل البیتؑ نے امام علیؑ و دیگر گیارہ ائمہ کی امامت کے معتقدین کے لئے لفظ ''شیعہ'' استعمال فرمایا ہے، اور معصومینؑ سے مروی بے شمار حدیثوں میں لفظ ''شیعہ'' استعمال کیا گیا ہے لیکن شیعوں کو چھوٹے چھوٹے گروپوں میں تقسیم کرنے کے لئے، مولائی، تبرّائی، مناجاتی، ملنگ اور اخباری وغیرہ کے مختلف ناموں سے مشہور کیا جارہا ہے اور پھر یہ گروپ کبھی آپس میں متحد نہ ہوسکیں اس لئے عقائد میں تحریفات کی جا رہی ہیں اور نئے نئے عقائد گڑھ کر ان گروپوں کے درمیان نشر کئے جارہے ہیں۔

اہل نظر بخوبی واقف ہیں اگر کسی مذہب یا قوم کو نابود کرنا ہوتا ہے تو اس سے اس کا کلچر چھین لیا جاتا ہے، ہمارے سامنے ترکی بہترین مثال ہے جس سے صرف اس کا رسم الخط چھین لیا گیا تھا تو ترکی آج تک نہ سنبھل سکا جبکہ زبان یا رسم الخط کوئی بھی ہو اس کو سیکھنے میں کوئی حرج نہیں ہوتا لیکن مادری

زبان سے سمجھوتا نہیں ہونا چاہئے، اسی طرح ہندوستانی شیعوں کے درمیان پاکستانی پنجاب کا کلچر رائج کیا جارہا ہے، بہت ہی خطرناک صورتحال ہوجائے گی اُس روز جب یہ پنجابی کلچر دھیرے دھیرے ہمارے سماج کا جزء بن جائے گا، سلام کی جگہ یاعلی مدد کہنا، چرس کو علی بوٹی کہہ کر پی جانا، لباس اتار کر مجمع عام میں سینہ زنی کرنا، صلواۃ کے بجائے خودساختہ نعرے لگانا، ماشاءاللہ اور سبحان اللہ کے بجائے مجلس یا محفل میں "جیوجیو" کی صدائیں بلند کرنا وہ اعمال ہیں جو پاکستانی پنجاب سے مخصوص ہیں اور ہمارے یہاں بھی سرایت کر رہے ہیں اور ان میں شرعی اشکال بھی پایا جاتا ہے، کیونکہ کلام کی ابتدا "سلام" سے کرنے کی تاکید روایات میں موجود ہے اور سلام کی جگہ ''یاعلی مدد'' کہنا، معصومین کی روایات کی کھلی خلاف ورزی ہے۔

اسی طرح "نشہ" حرام ہے اور یہ لوگ اسے امام علیؑ کے مقدس نام سے منسوب کرکے توہین کرتے ہیں اور حرام کے مرتکب ہوتے ہیں، مجمع عام میں لباس اتار کر برہنہ ہونا حرام ہے اور یہ لوگ اس کو بھی انجام دیتے ہیں، بعض وہ چیزیں بھی ہیں جن میں شرعی اشکال تو نہیں ہے لیکن ہمارے کلچر کو ملیا میٹ کرنے کے لئے کافی ہیں، ماشاءاللہ اور سبحان اللہ کی جگہ ''جیوسید'' جس کے اسٹیکر اب بائکوں اور عمومی مقامات پر نظر آنے لگے ہیں حتی کے شعرا اور ذاکرین کی حوصلہ افزائی کے لئے بھی ''جیوجیو'' کے نعرے لگنے لگے ہیں جب کہ ہندوستان، بالخصوص اتر پردیش میں ایسا کبھی نہیں ہوتا تھا، واہ! واہ! اور سبحان اللہ کی صداؤں سے حوصلہ افزائی کی جاتی تھی۔

اسی طرح عزاداری منجملہ ماتم داری کو ''پرسہ داری'' کہنے لگے ہیں اور اپنے آپ کو "مولاؑ کا نوکر"، یا مذہبی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے والے اپنے اس عمل خیر کو ''مولا کی نوکری'' کہنے لگے ہیں، تاریخ شاہد ہے مولا کے یہاں نوکر چاکر کا نظام نہیں تھا، خدمت گار غلام ضرور ہوتے تھے جن کے ساتھ غلاموں جیسا برتاؤ بھی نہیں کیا جاتا تھا، نوکر چاکر کی اصطلاح اتر پردیش میں مناسب نہیں ہے کیونکہ یہاں تصور دوسرا ہے جس سے ایک ظالمانہ نظام ذہن میں آتا ہے، اب بعض شیعہ بستیوں میں ایک مخصوص گروہ پنجابی زبان میں نوحے پڑھنے لگا ہے اور اُسی انداز میں برہنہ ہوکر سینہ زنی کررہا ہے جب کہ ان نوحوں کا مطلب خود نوحہ خوان یا نوحہ سننے والے بھی نہیں سمجھتے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ یہ

لوگ شہدائے کربلا پر گریہ سے محروم ہو گئے کیونکہ جب نوحہ سمجھیں گے نہیں تو گریہ کس طرح کریں گے؟

اسی طرح جاہل پنجابیوں کا پہناوا بھی اپنی پہچان بنالیا ہے جس سے ایسی بدنما ہیئت بن جاتی ہے جو اسلام یا شیعہ کے شایان شان نہیں ہے ہاتھوں کی تمام انگلیوں میں انگوٹھیاں، کلائی میں موٹے موٹے کڑے اور کلاوے، جوؤں کی بہترین پناہ گاہ لمبے الجھے ہوئے بال، میلے کچیلے کپڑے، گلے میں انواع واقسام کی مالائیں، اور شکل ایسی کہ جیسے کبھی انسانی معاشرہ دیکھا ہی نہ ہو، اور پھر کہا یہ جاتا ہے کہ یہ لوگ مولائی ہیں؟ بہت پہنچے ہوئے ہیں؟ ہرگز نہیں! یہ تو ہر لحاظ سے مولا کو بدنام کر رہے ہیں اور مولا کی توہین کا باعث ہیں۔

ایسے لوگ نہ صرف شیعہ سماج بلکہ پوری انسانیت کے لئے عظیم خطرہ ہیں، دنیا کے تمام مذاہب کسی نہ کسی لحاظ سے دنیا میں فعالیت کو بہت اہمیت دیتے ہیں اور اسلام نے دنیاوی فعالیت کو سرفہرست قرار دیا ہے، لیکن ملنگیت انسان کو جامد بناتی ہے اور ہر قسم کے تحرک سے باز رکھتی ہے۔

اس کے علاوہ قلندروں کی تعریفیں اور ''دھمال'' جیسی اصطلاحوں کے ہندوستانی شیعوں میں وارد ہونے کا خطرہ بہت زیادہ بڑھ گیا ہے کیونکہ پاکستان میں جاہل ذاکروں نے مجلسوں میں "دھمال" اور قلندروں کی تعریفیں شروع کردی ہیں، اگر یہ وائرس انڈیا سے پاکستان جانے والے اَن پڑھ ذاکروں کو لگ گیا تو پھر انڈیا میں اس کا پھیلنا یقینی ہے، جبکہ ان دونوں ہی چیزوں کا مذہب اہل البیت سے کوئی تعلق نہیں ہے، دھمال سنسکرت کا لفظ ہے ''دھرم+آل'' سے مل کر بنا ہے اور اردو میں بطور اسم استعمال ہوتا ہے، اردو لغت میں سب سے پہلے ۱۸۰۹ عیسوی میں استعمال ہوا جس کے معنی اچھل کود، دھما چوکڑی اور شور وغل کرنے کے ہیں، عرف عام میں مزاروں پر کئے جانے والے بے ہنگم رقص کو بھی دھمال کہتے ہیں، اسی طرح قلندر ترکی زبان کا لفظ ہے اور اگر نام نہاد شیعہ ذاکر پاکستان میں اپنے گھر پر قلندری دھمال کرائے تو سمجھ لیجئے اس کا شیعیت سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔

اور خود ملنگ کی اصطلاح ہی ایک صحت مند معاشرے کے لئے کونسی جائز ہے، کیونکہ ملنگ اُسے کہتے ہیں جو اپنے ہوش وحواس میں نہ ہو، اور یہ لوگ کہتے بھی یہی ہیں کہ ہم علیؑ کے دیوانے ہیں، امام علیؑ کو دیوانوں کی ضرورت نہیں ہے بلکہ نہایت عقلمند انسان امام علیؑ کے کام آسکتا ہے، دیوانہ تو دیوانہ ہوتا ہے وہ کبھی بھی نقصان پہنچا سکتا ہے اور اکثر نقصان ہی پہنچاتا ہے، دیوانے سے کبھی فائدہ نہیں پہنچتا، ان اصطلاح کے

شیعوں میں رائج ہونے سے سب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ امام علیؑ کے اصحاب کا مرتبہ کمتر ہوگیا اور یہ صدائیں آنے لگی ہیں کہ ابوذر، سلمان فارسی، عمار یاسر وغیرہ بھی تو ملنگ تھے "نعوذباللہ"۔

ایک خطیب نے امام علیؑ کے اصحاب کو علی الاعلان ملنگ کہا!، یہ لوگ ہرگز ملنگ نہیں تھے بلکہ امام علیؑ کی انہیں جتنی بھی محبت تھی وہ معرفت کے ساتھ تھی اور ملنگ صرف محبت کا دعویٰ کرتے ہیں جو بغیر معرفت کے ہوتا ہے یعنی صرف نکمے، ناکارہ اور نکھٹو لوگوں کا زبانی دعوی ہوتا ہے جو عمل سے کوسوں دور بھاگتے ہیں، جبکہ بغیر عمل کے اہل البیتؑ کی محبت کوئی فائدہ نہیں پہنچائے گی، اس پنجابی اصطلاح "ملنگ" کا ہندوستان میں رائج ہونے کا ایک ضرر یہ بھی ہوگا کہ لوگ عمل خیر سے کوسوں دور ہوجائیں گے جس کی وجہ سے ہمارا شیعہ سماج بغیر موت کے اپنے آپ مرجائے گا۔

اس اصطلاح کے رائج ہونے کا دوسرا سب سے بڑا نقصان یہ ہوگا کہ شیعہ سماج نظام رہبری سے دور ہوجائے گا، چاہے رہبری معصوم کی ہو یا غیر معصوم کی، ملنگ اس سے دور بھاگتا ہے، کیونکہ اگر ملنگ ایسے سماج کا جز بن جائے جو نظام رہبری کو دل سے قبول کرتا ہو تو پھر انہیں رہبر کی اطاعت کرنا پڑے گی اور یہ چیز ملنگیت سے تضاد رکھتی ہے، اس کے علاوہ خود عوام بالخصوص غیر مسلمین میں ملنگوں کے ذریعہ اسلام کے تئیں منفی پیغام جاتا ہے اور اسلام کو نقصان پہنچتا ہے، مثلا ملنگ برسوں نہیں نہاتے اور اسلام صفائی ستھرائی پر بہت زیادہ زور دیتا ہے، ہندوستان کے سماج میں غیر مسلمین کی نگاہیں کتابوں میں لکھی ہوئی ان حدیثوں تک نہیں پہنچیں گی جن میں اسلام نے صفائی ستھرائی کی بہت زیادہ تاکید کی ہے لیکن میلے کچیلے ملنگوں کو سب آسانی سے دیکھ کر اسلام کا حلیہ سمجھ لیں گے جس سے سیدھے طور پر اسلام کا ہی نقصان ہوگا۔

اب اچھے بھلے لوگ جو بظاہر ملنگ نہیں ہیں بھی اس اصطلاح سے متاثر ہوکر کہنے لگے ہیں کہ ملنگ ہونا کوئی بری بات نہیں ہے، مولا کے چاہنے والے کو ملنگ کہتے ہیں، جب معصومینؑ نے مولا کے چاہنے والے اور پیروکار کے لئے ''شیعہ'' لفظ استعمال کیا ہے تو پھر کونسی ترجیحی وجہ جاہل پنجابیوں کی اصطلاح ملنگ میں موجود ہے جسے ہمارے شیعہ سماج میں معصوم کے عطا کردہ لفظ ''شیعہ'' کے بجائے رائج کیا جارہا ہے؟

★★★★★

# جنت البقیع تاریخ کے پس منظر میں

عالیجناب مولانا سجاد ربانی صاحب

خداوند عالم نے انبیاءؑ اور اوصیاءؑ کو اپنے نور سے خلق فرمایا اور انھیں اپنے اسرار کا رازداں، اور اپنی میراث علم وحکمت کا ورثہ دار بنایا تا کہ زمانے میں اٹھنے والی ظلم واستبداد اور جہالت کی آندھیوں کا ڈٹ کر مقابلہ کرسکیں اور تمام امور پر مطلع کیا تا کہ امت کی کشتی کسی بھنور میں نہ پھنس جائے اور اس کے سوار ساحل مراد تک پہونچ سکیں بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ انھیں مشعل راہ بنایا تا کہ دنیا کے کسی بھی بشر کے لئے منزل مقصود وبال جان نہ بن جائے اور راہ راست تک پہونچنا کوئی دشوار امر نہ ہوجائے کہ جس کے لئے وہ اپنے خالق سے دور ہی رہے اور لذت قرب الٰہی کو چکھ نہ سکیں۔

لہٰذا اس نے ان ہستیوں کو اپنے کمالات کا مظہر بنا کر بھیجا اور یہ افراد اس دنیاوی حیات سے ظاہری طور پر پردہ اختیار کرنے کے بعد بھی آسمان ہدایت پر آفتاب بن کر اپنی ضیاء پاشی کرتے رہے اور اس کائنات کو اپنے الٰہی اور ایمانی نور سے منور کرتے رہے جس کے نتیجہ میں ہر دور کا ظالم ان کے آثار، تبرکات اور یادگار چیزوں سے حراساں رہا، چونکہ میراث انبیاءؑ اور اوصیاءؑ، اپنے دامن میں قوموں کے عروج وزوال پر مشتمل ایک تاریخ رکھتی ہے جس کے ذریعہ ہر انسان کی عقل اسے یہ سوچنے پر مجبور کرتی ہے کہ یہ افراد کیا ہوئے؟ کیوں اللہ نے کسی قوم کی تقدیر کا فیصلہ ان کے ہاتھوں میں دیا؟ اور ان کی قوم نے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا؟، اور اس کے نتیجہ میں کس طرح عذاب الٰہی کا نوالہ بنے؟ غرض بیداری اور شعور کا ایک گہرا سمندر اپنے دامن میں سموئے ہوئے ہیں، اسی وجہ سے

خداوندعالم نے بھی قرآن مجید میں متعدد مقامات پران سب کواپنی آیات کہہ کرتعبیر کیا ہے۔

## قرآن مجید میں ذکرآثارانبیاءواوصیاء

اس جدید دور میں ایک مستقل شعبہ قائم ہوا ہے جس کومحکمہ آثار قدیمہ کا نام دیا جاتا ہے، ہر ملک اور ہر علاقہ میں موجود آثار قدیمہ کی دیکھ ریکھ اوران کوضائع ہونے سے بچانا اس شعبہ کا اہم اوراساسی ہدف ہے چنانچہ اس سے متعلق افرادشب و روز سرگرم عمل رہتے ہیں،اوراپنے ملک وملت کی تمام یادگاروں کومحفوظ رکھنا اپنا فرض منصبی سمجھتے ہیں اوراپنے بزرگوں کی ان نشانیوں کوآبادرکھ کران کوخراج عقیدت پیش کرتے ہیں۔

لہٰذا قرآن مجید نے بھی انبیاء،اوصیاء اور اولیاء کرام کے ان آثار کو باقی رکھا ہے اور اگر قرآنی آیات میں تتبع کی جائے تو ہم کودوطرح کے آثار نظرآتے ہیں کبھی کھنڈرات اور ویرانوں کی شکل میں، کہ جوکسی سرکش قوم اورظالم وسفاک حکمرانوں کے ظلم واستبداد کی روداد بیان کرتے ہیں ،اوراللہ کی نافرمانی اوراپنے نبیؑ کے ساتھ کئے ہوئے پیمان اطاعت کوتوڑا کہ جس کے نتیجہ میں عذاب الٰہی نے انھیں اپنی چپیٹ میں لے لیا اورکبھی صفاومروہ ،تابوت بنی اسرائیل اورمقام ابراہیم کی صورت زندہ ہیں،اورصرف اللہ نے ان کوزندہ ہی نہیں رکھا بلکہ لوگوں کومسلسل پیغام بھی دیا کہ جاؤاوران کوقریب سے دیکھو!

لہٰذا ارشاد ہوتا ہے "أَوَ لَمْ يَسيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كانَ عاقِبَةُ الَّذينَ كانُوا مِنْ قَبْلِهِمْ كانُوا هُمْ أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَ آثاراً فِي الْأَرْضِ فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ وَ ما كانَ لَهُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ واقٍ"

کیاان لوگوں نے زمین میں سیرنہیں کی کہ دیکھتے کہ ان سے پہلے والوں کا انجام کیا ہوا ہے جو ان سے زیادہ زبردست قوت رکھنے والے تھےاورزمین میں آثار کے مالک تھے پھرخدانے انھیں ان کے گناہوں کی گرفت میں لےلیااوراللہ کے مقابلہ میں ان کا کوئی بچانے والانہیں تھا"۔

لہٰذااللہ تعالیٰ نے متعدد مقامات پراپنے مخلص اوراطاعت شعار بندوں کی ان علامتوں کا تذکرہ فرمایا ہے جوبعض یادگاروں کواپنے دامن میں لئے ہوئے ہیں چنانچہ ارشاد ہوتا ہے "إِنَّ الصَّفا وَ الْمَرْوَةَ مِنْ شَعائِرِ اللَّهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلا جُناحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِما وَ مَنْ تَطَوَّعَ خَيْراً فَإِنَّ

اللہَ شاکِرٌ عَلیم"

یقیناً صفا و مروہ یہ دونوں پہاڑیاں اللہ کی عظیم نشانیاں ہیں پس جو بھی حج کرے یا اعمال عمرہ بجا لائے اس کے لئے کوئی حرج نہیں کہ ان دونوں کا بھی طواف کرے، اور جو مزید خیر کرے گا تو اللہ اس کے اس عمل کا قدردان اور اس سے خوب واقف ہے۔

اور دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے "فیہِ آیاتٌ بَیِّناتٌ مَقامُ إبراهیمَ وَ مَنْ دَخلَهُ کانَ آمِناً وَ لِلّهِ عَلَی النّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطاعَ إِلَیْهِ سَبیلاً وَ مَنْ کَفَرَ فَإِنَّ اللهَ غَنِیٌّ عَنِ الْعالَمین"

بیشک کعبہ میں اللہ کی واضح نشانیاں ہیں ان میں سے ایک مقام ابراہیمؑ ہے جو اس میں داخل ہوگیا گویا اس کو امان الٰہی نصیب ہوگئی، اور لوگوں میں سے جو شخص بھی مستطیع ہے اس پر اللہ کے لئے اس کے گھر میں جا کر حج کرنا واجب ہے اور اگر کوئی کافر ہو جائے تو اللہ تمام عالمین سے بے نیاز ہے۔

اس کے علاوہ اور بہت سی آیات ہیں جو آثار انبیاءؑ کو وضاحت کے ساتھ بیان کرتی ہیں، لیکن سوال یہ ہوتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو کیوں زندہ رکھا؟ اس کا جواب مذکورہ آیات میں غور و فکر کرنے سے حاصل ہو جاتا ہے کہ پروردگار عالم کی غرض ان سب کے باقی رکھنے سے یہ دو چیزیں ہو سکتی ہیں۔

۱۔ عبرت، یعنی لوگ ان سے عبرت حاصل کریں، اور اپنے لئے ان کے اندر وہ نشانیاں تلاش کریں جن کے سبب حق کا راستہ میسر آجائے۔

۲۔ انبیاءؑ اور اوصیاءؑ کی زحمات کی قدردانی اور عزت افزائی کرنا، جیسا کہ آیت مذکور کے سلسلے میں مفسرین بیان کرتے ہیں کہ "فیہ آیات بینات مقام ابراھیم" خانہ کعبہ میں بہت ساری نشانیاں ہیں زمزم، صفاء و مروہ، رکن و حطیم، حجر الاسود، و حجر اسماعیل لیکن ان سب کے درمیان مقام ابراہیمؑ کو ایک اہمیت حاصل ہے چونکہ یہ وہ ایک پتھر ہے جس پر حضرت ابراہیمؑ تعمیر کعبہ کے دوران کھڑے ہو کر کعبہ کی دیواروں کو بلند کر رہے تھے جس کے سبب آپ کے پیروں کے نشان اس پر باقی رہ گئے۔

اگر اس رو سے دیکھا جائے تو قبرستان جنت البقیع بھی اللہ کی اہم نشانیوں میں سے ایک ہے، جس میں وہ ہستیاں آرام فرما ہیں جنھوں نے شمع رسالت کی پروانہ وار حفاظت کی اور بقاء اسلام کی

خاطر اپنی جان و مال، اولاد اور اعزاء و اقارب تک کی پرواہ نہ کی، لہٰذا اپنے گھروں کو راہ خدا میں جلتے دیکھنا گوارہ کیا لیکن اس کی لپٹیں خرمن اسلام تک نہ پہونچنے دیں۔

## جنت البقیع پر ایک نظر

اس قبرستان کا اصلی نام "البقیع الغرقد" ہے لہٰذا ارباب لغت اس کا اس طرح معنیٰ کرتے ہیں "لابقیع: المکان المتسع و لا یسمی بقیعاً الا و فیہ شجر" یعنی بقیع ایک وسیع و عریض جگہ کو کہتے ہیں، اور کسی جگہ کو بقیع اسی وقت کہیں گے جب اس میں درخت پائے جائیں۔

> قبرستان جنت البقیع بھی اللہ کی اہم نشانیوں میں سے ایک ہے، جس میں وہ ہستیاں آرام فرما ہیں جنھوں نے شمع رسالت کی پروانہ وار حفاظت کی اور بقاء اسلام کی خاطر اپنی جان و مال، اولاد اور اعزاء و اقارب تک کی پرواہ نہ کی۔

"الغَرقَدُ: ھو شجر الشَّوک" غرقد ایک کانٹے دار پیڑ کو کہتے ہیں" چونکہ غرقد نامی پیڑ اس قبرستان میں بہت زیادہ اگتے تھے لہٰذا اس کو بقیع الغرقد کہا جاتا تھا۔

یہ قبرستان مسجد النبی کے مشرق میں دو سو میٹر کے فاصلہ پر واقع ہے سو سال پہلے تک یہ شہر مدینہ کے باہری علاقہ میں محسوب ہوتا تھا لیکن اب یہ خود شہر مدینہ کا جزء شمار ہونے لگا، اور اب اس کے چاروں طرف روڈ نکال دیئے گئے جن کے نام یہ ہیں، ستین، عبدالعزیز، ابی ذر، باب العوالی۔

ظہور اسلام سے پہلے یہ قبرستان یثرب کے باشندوں کا مدفن تھا لیکن ہجرت رسولؐ اسلام کے بعد یہ مسلمانوں سے مخصوص ہو گیا اور تاریخ عالم کے بڑے قبرستانوں میں اس کا شمار ہونے لگا کہ جس میں ہزاروں صحابہ و تابعین، اور تبع تابعین غرض عالم بشریت کی بڑی مقتدر ہستیاں دفن ہوئیں کتب احادیث کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس مقدس و محترم قبرستان کا تذکرہ سابق آسمانی کتابوں میں بھی ملتا ہے جیسا کہ کعب الاحبار یہودی سے نقل ہوا ہے:

۱۔ "عن کعب الاحبار الیھودی انہ قال: نجد مکتوباً فی الکتاب {التوراۃ} ان مقبرۃ

بغربی المدینة علی حافة السبیل ،یحشر منها سبعون الفأ لیس علیهم حساب ،و قال :نجدها فی التوراة کفته محفوفة بالنخیل" کعب الاحبار بیان کرتا ہے کہ ہم نے اپنی کتاب توریت میں پڑھا کہ شہر مدینہ کے سمت مغرب میں شاہ راہ پر ایک قبرستان ہے کہ روز قیامت جس سے ستر ہزار افراد ایسے اٹھائیں جائیں گے کہ جو بغیر حساب وکتاب کے بہشت میں داخل کردیئے جائیں گے۔

۲ ۔ قال سعید المقبری :قدم مصعب بن زبیر حاجاً و معتمراً و معه ابن راس الجالوت {عالم و حبر الیهود الاعظم }فدخل المدینة من نحو البقیع ،فلما مرّ بالمقبرة ،قال ابن راس الجالوت :انها لهی:قال مصعب:و ماهی؟

قال :اننا نجد فی کتاب الله [التوراة ] صفة مقبرة فی شرقها نخیل و غربها بیوت ،یبعث منها سبعون الفاً کلهم علی صورة القمر لیلة البدر،و قد طفت مقابر الارض فلم ار تلک الصفة حتی رایت هذه المقبرة و فی روایة اخری:هذه التی نجدها فی کتاب الله"۔

سعید مقبری کا بیان ہے کہ جب مصعب ابن زبیر بصرہ سے حج وعمرہ کے لئے مکہ آیا تو اس کے ہمراہ یہودیوں کا ایک بہت بڑا عالم بھی تھا یہ راس الجالوت کا بیٹا تھا جب یہ لوگ اپنے سفر کے دوران مدینہ پہونچے تو اس نے کہا: کیا یہ وہی قبرستان ہے؟ مصعب نے چونک کر پوچھا: کون سا؟ تو اس نے کہا ہم نے اپنی کتاب توریت میں دیکھا ہے کہ ایک ایسا قبرستان کہ جس کے مشرقی حصہ میں درخت اور مغربی حصہ میں گھر آباد ہیں روز حشر اس میں سے ستر ہزار افراد ایسے محشور ہونگے کہ جن کی صورتیں چودھویں کے چاند کی مانند چمک رہی ہوں گی ،اور میں نے زمین پر موجود تمام قبرستان کا مشاہدہ کیا لیکن کسی میں بھی اس صفت کو نہیں پایا مگر میں نے اس میں ان علامتوں کو دیکھا ہے جو ہماری کتاب توریت میں ذکر ہوئیں ہیں۔

اور ایک دوسری روایت میں یہ لفظیں وارد ہوئی ہیں کہ اس یہودی عالم نے یہ کہا کہ واقعاً یہ وہی قبرستان ہے کہ جس کا ذکر ہماری آسمانی کتاب توریت میں ہے۔

## جنت البقیع کی فضیلت

جس طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے کچھ دنوں اور مہینوں کو با فضیلت بنایا جیسے روز جمعہ، روز عید، ماہ

رمضان المبارک، ماہ ذی الحجہ کے وہ ایام جن میں مناسک حج بجالائے جاتے ہیں، اسی طرح اللہ نے کچھ ایسی جگہیں بھی اس روئے زمین پر بنائی ہیں جنکا شرف ذاتی ہے جیسے مکہ، مدینہ، نجف اشرف، کربلا مقدسہ، انہیں مقامات میں سے ایک جنت البقیع بھی ہے لیکن کبھی کبھی شرف مکانی اور زمانی ایک ساتھ مل جاتے ہیں جس کے سبب نورانیت میں اضافہ ہوجاتا ہے اگرچہ جنت البقیع خود بافضیلت ہے لیکن اس کا شرف چند برابر ہوجاتا ہے چونکہ اس میں یہ طیب وطاہر ہستیاں مدفون ہیں جن کو اللہ نے اپنے دین کی اساس اور بنیاد بنایا اور جن کے وجود کو اپنے نور سے خلق فرمایا لہٰذا عربی کا ایک مقولہ ہے: "المکان بالمکین ،والدار بساکنھا ،والارض باھلھا" ۔یعنی مکان کی اہمیت اس کے مکین سے ہوتی ہے، اور گھر کی عظمت اس میں رہنے والے کے مطابق ہوتی ہے۔

اسی طرح ہر خطہ ارضی کی اہمیت وفضیلت کا اندازہ اس پر آباد باشندوں کی عظمت پر منحصر ہوتا ہے ،اور جیسا کہ کتب احادیث کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ پیغمبر اسلام ہر روز جنت البقیع کے مدفون افراد کی زیارت کے لئے جایا کرتے تھے اور ان کے لئے بارگاہ خداوند متعال میں طلب مغفرت کیا کرتے تھے لہٰذا ابی موہبہ سے روایت ہے کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا: "انی امرت ان استغفر لاھل البقیع" مجھے اللہ کی جانب سے اس امر پر مامور کیا گیا ہے کہ میں اہل بقیع کے لئے استغفار کیا کروں۔

اور اسی طرح ام قیس سے روایت ہے کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا: "مقبرتان تضیئان لاھل السماء کما تضیئ الشمس و القمر لاھل الدنیا ، البقیع بقیع اھل المدینہ، و مقبرۃ بعسقلان"

دو قبرستان ایسے ہیں جو آسمان میں رہنے والوں کے لئے اس طرح چمکتے ہیں جس طرح دنیا میں رہنے والوں کے لئے سورج و چاند، ایک اہل مدینہ کا قبرستان، بقیع ،اور دوسرا اہل عسقلان کا قبرستان۔

## بقیع میں مدفون ہستیاں

جیسا کہ ہم نے پہلے عرض کیا کہ اس مقدس قبرستان میں عالم اسلام کی بزرگ ہستیاں محو آرام ہیں دس ہزار سے زیادہ صحابہ وتابعین، کی قبریں اس کے اندر ہیں ان میں سے کچھ کے نام ہم یہاں بیان کرتے ہیں تا کہ قارئین کی معلومات میں مزید اضافہ ہوجائے۔

حضرت فاطمہؑ زہرا، امام حسنؑ مجتبیٰ، امام زین العابدینؑ، امام محمد باقرؑ، امام جعفر صادق، حضرت

ابراہیمؑ بن رسولؐ اللہ، اسماعیلؒ بن امام صادقؑ، عباسؓ بن عبدالمطلب، عقیلؓ بن ابی طالب، عبداللہؓ بن جعفر طیار، محمدؒ بن حنفیہ بن علیؑ، مقدادؓ بن اسود، اسامہؓ بن زید بن حارثہ، فاطمہؑ بنت اسد، صفیہؓ بنت عبدالمطلب، ام البنینؑ، حلیمہ سعدیہ، اور اسی طرح ازواج رسولؐ میں سے سودہ بنت زمعہ، عائشہ بنت ابی بکر، حفصہ بنت عمر، ام سلمہ، زینب بنت جحش، جویریہ بنت حارث، ماریہ القبطیہ ، ام ابراہیم، اوران کے علاوہ اس میں بہت سی بزرگ شخصیات دفن ہیں ۔

## جنت البقیع سب سے بڑی زیارت گاہ

ان حضراتؑ کے دفن سے لے کر آل سعود کی ظالمانہ حکومت کے قیام سے پہلے تک بقیع تمام مسلمانان عالم کی سب سے بڑی زیارت گاہ رہی ہے جو بھی عاشق رسولؐ اور خانہ خدا کا زائر مکہ آتا تو وہ قصداً مدینہ آ کر حاضری کا شرف ضرور حاصل کرتا اور روضہ رسولؐ کی جالی کو چوم کر آئمہ بقیع کے حضور اپنے آنسوؤں کا نذرانہ پیش کرتا اور اسلام کی سربلندی میں دی گئی ان کی عظیم قربانیوں کو خراج عقیدت پیش کرتا لیکن افسوس! آج گلشن اسلام میں ہر طرف الوؤں کا ہجوم ہے نہ جانے کون سی یادگار اسلام منہدم کر دی جائے اور کس رکن اسلام کو خراب کر دیا جائے ، کس مسجد کو مسمار کر دیا جائے اور کس جگہ قرآن کو پارہ پارہ کر دیا جائے لیکن ایک سربستہ ادا سی ہے کہ جس نے تمام عالم اسلام، خصوصاً عالم عرب کو اپنی چپیٹ میں لے رکھا ہے، کہیں سے ان کے خلاف کوئی آواز بھی نہیں اٹھتی کوئی یہ تک نہیں پوچھتا کہ تم ان ایمان کے روشن چراغوں کو کیوں بجھانا چاہتے ہو؟

پہلی بات تو یہ کہ ان ظالم حکمرانوں سے کوئی یہ پوچھ نہیں سکتا کہ اس عمل شکست وریخت سے تم کو کیا حاصل ہوگا ؟ اگر کوئی جرات کر بھی لے تو اس کو جواب میں دو لفظیں کہی جاتی ہیں جیسا کہ نقش اول کے مولف گرانقدر نے لکھا " توسیع ، شرک " یعنی ان قبروں کو منہدم نہیں بلکہ ہم قبرستان کو وسعت دینا چاہتے ہیں اور دوسرے یہ کہ اہل مدینہ ان قبوں اور روضوں کو پوجتے ہیں اور ان سے توسل کرتے ہیں اور یہ شرک ہے، لہٰذا ہم ان کو اس وادئ شرک سے نکالنا چاہتے ہیں ۔

کیا توسیع اس انداز وقرینہ سے نہیں کی جا سکتی تھی کہ جس حوصلے کے ساتھ ترکوں نے کی؟ اور کیا شرک کے مٹانے کا طریقہ صرف یہی تھا کہ ان حضرات کی باوفا ہڈیوں کے نشانات کو مٹا دیا جائے ۔

## جنت البقیع کے روضوں کی تعمیر

آئمہ بقیع کے مزارات پر سب سے پہلے قبے مجد الملک ابوالفضل اسعد بن محمد بن موسی مادستانی قمی نے سن ۴۸۸ عیسوی میں بنائے جو سلطان سلجوقی کے وزیر تھے پھر انکی آرایش کا کام عباسی خلیفہ ناصر الدین بن المستضی ءباللہ نے سن ۵۶۰ ھ میں انجام دیا پھر اس کے بعد ترکی کی خلافت عثمانیہ نے مسلسل ۱۵ برس تک گنبد خضراء سمیت تمام یثرب کے مزارات مقدسہ کی تعمیر وآرایش کا کام انجام دیا۔

## آل سعود کا حجاز پر ناحق قبضہ

یہ خاندان حجاز کی ریاست نجد کے ایک گاؤں" درعیہ " میں سکونت پذیر تھا اور اسی خاندان کی ایک فرد محمد بن سعود اس میں ایک نواب کی مانند وہاں کے سادہ لوح افراد پر اپنے احکام تھوپتا تھا اور ان سے کثیر تعداد میں غلّہ وصول کیا کرتا تھا ،اسی زمانہ میں محمد بن عبدالوہاب فرقہ وہابیت کا بانی نے اپنی منحرفانہ تبلیغ کا آغاز کردیا جس کے نتیجے میں باپ نے عاق کر کے گھر نکال دیا اور جب کچھ نہ بن پڑا تو شیخ محمد ابن عبد الوہاب خانہ خدا کا قصد کرکے راہی مکہ ہوئے وہاں سے واپسی پر مدینہ پہونچے اور وہاں پر اہل مدینہ کو روضہ رسولؐ ،اور جنت البقیع میں توسل کرتا ہوا پایا تو دل برداشتہ ہوکر اپنے ایک شاگرد کے یہاں" درعیہ" پہونچے اور ایک عرصہ تک کدکاوش کرتے رہے آخر کار محمد بن سعود تک رسائی حاصل ہوئی لہٰذا اس کو ہم ایک سنی مورخ کی زبانی نقل کرتے ہیں تا کہ ہمارے دعوے کو ایک اور مضبوط دلیل مل جائے ،تاریخ نجد وحجاز کے مؤلف بیان کرتے ہیں کہ شیخ محمد بن عبدالوہاب نے اپنی مہم کا آغاز اپنے وطن عینیہ سے کیا۔انبیاء کی تعظیم نہ کی جائے ،اور ان سے طلب شفاعت نہ کی جائے اس کامیابی کے لئے تلوار کی ضرورت تھی ورنہ ان کے افکار بھی ابن تیمیہ کی طرح صفحہ قرطاس تک محدود رہ جاتے ،اس نصب العین کے لئے ان کی آنکھوں نے نجد کے سرداروں کا جائزہ لینا شروع کیا

> دو قبرستان ایسے ہیں جو آسمان میں رہنے والوں کے لئے اس طرح چمکتے ہیں جس طرح دنیا میں رہنے والوں کے لئے سورج و چاند ،ایک اہل مدینہ کا قبرستان ، بقیع ،اور دوسرا اہل عسقلان کا قبرستان۔ پیغمبر اکرمؐ

بالآخران کی نظرانتخاب محمد بن سعود پر آٹھہری اور محمد بن سعود کی بیوی کے ذریعہ انہوں نے ابن سعود کو اپنا ہمنوا بنالیا۔

لہٰذا عثمانی خلافت کے زوال کے بعد یہ گروہ برطانیہ، اور کلیسا کے ساتھ کئے گئے عہد کے سبب سن ۱۲۲۰ ہجری کو مکہ اور ۱۲۲۱ ہجری میں مدینہ منورہ پر قابض ہوئے، اور ابن عبدالوہاب کے ساتھ کئے وعدوں کو پورا کرنے کے لئے آل سعود کے پاس اس سے اچھا اور کوئی سنہرا موقع نہیں تھا لہٰذا سب سے پہلے اطراف کعبہ میں موجود آثار انبیاء خصوصاً پیغمبر ختمی مرتبت کے تمام آثار کو تاراج کرنا اپنا اصلی ہدف قرار دیا اور ہر اس یادگار کو منہدم کرنا اپنا فرض سمجھا جس جس سے آپ کی کوئی یاد وابستہ تھی لہٰذا نئی حکومت نے مکے سے مدینہ تک جانے کا نیا راستہ اختیار کیا، یہ راستہ مکے سے مقام بدر تک سمندر کے ساتھ ساتھ جاتا ہے، یاد رہے یہ وہی راستہ ہے کہ جس سے ابوسفیان لشکر اسلام کی روانگی کی خبر سن کر اپنے قافلے کو بچا کر مکے کی جانب فرار ہو گیا تھا۔

## انہدام جنت البقیع

پہلے ان قبروں پر منار اور ضریح ہوتی تھی لیکن اب کھلے آسمان کے نیچے ان پر صرف ایک پتھر کو علامت کے عنوان سے رکھا ہوا ہے کچھ مومنین اور تشنہ زیارت کے لئے ابھی کچھ قبریں ہیں ورنہ، نہ جانے ان وہابیوں نے کتنی قبروں کو زمیں بوس کر دیا، جب بھی کسی مسلمان کی نظروں کے سامنے وہ دلخراش منظر آجاتا ہے کہ جس وقت بنت نبیؐ کی قبر مطہر سے روضہ اور گنبد کو توڑا گیا تھا تو پورے جسم میں ایک لرزہ طاری ہو جاتا ہے اور ایک مسلمان ہونے کے ناطے جزبہ انتقام کی لہر دل و ماغ کو ٹھوکے دینے لگتی ہے کہ اے کاش! یہ سانحہ نہ ہوا ہوتا؟ اے کاش! مدینہ میں ایک بار پھر بنت نبی کے گھر کے چراغ نہ بجھائے جاتے؟ اے کاش! یہ زمین کیوں نہ پھٹ گئی؟ اس آسمان نے خون کے آنسو کیوں نہ برسائے؟

مجھے ایسا لگتا ہے کہ ۸ شوال ۱۳۴۴ ہجری مطابق ۲۱ اپریل ۱۹۲۵ عیسوی میں سن ۱۱ ہجری کا سورج دوبارہ نکل آیا ہو اور اسی طرح نبیؐ زادیؑ کے دروازے سے آگ کے شعلے بلند ہو رہے ہو جس طرح ۱۱ ہجری میں ہوئے تھے، حسنؑ کل بھی ماں پر ہونے والے مظالم کے چشم دید گواہ تھے اور آج خود

ماں کے ساتھ خود ماں کی مظلومیت کے شریک ،کل جس طرح علیؑ کے گلے میں رسی کا پھندا ڈالا گیا تھا آج اسی کا پوتا جو ایک عرصہ تک بنی امیہ کے طوق وسلاسل میں جکڑا رہا، دادی کی قبر کے ساتھ ساتھ اس کا روضہ بھی ویران کیا گیا، جنہوں نے کبھی امت اسلامی کے گھروں میں علم وحکمت کے دیئے جلائے تھے آج جاہل اور نادان دشمن ان کی قبروں کے روشن چراغ بجھانا چاہتے ہیں، لیکن افسوس صد افسوس! آج ۸۹ سال گذر گئے لیکن عالم عرب کے سر میں جوں تک نہ رینگی کہ کوئی بڑھ کر یہ کہہ سکے کہ اے ظالموں! تم نے یہ کیا ظلم کر دیا، اولاد رسول کو کم از کم قبر میں تو چین لینے دیتے، لیکن کوئی نہیں جو ہماری آوازوں کو سنے فقط اللہ ہی ہے جو سب کے دلوں کے حال سے خوب واقف اور آگاہ ہے۔

ظاہراً آل سعود نے ان روضوں کو توڑ کر اپنے اموی کردار کا ثبوت دیا لیکن بقول شاعر

فانوس بن کے جس کی حفاظت ہوا کرے وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے

لیکن اللہ نے اہل بیت علیہم السلام سے وعدہ "فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ" کر کے آل سعود کے ارادوں کا طلسمی محل زمیں دوز کر دیا "يُرِيدُونَ أَنْ يُطْفِؤُا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللَّهُ إِلَّا أَنْ يُتِمَّ نُورَهُ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ" یہ چاہتے ہیں کہ نور خدا کو خاموش کر دیں لیکن اللہ اپنے نور کو ساری دنیا میں پھیلا کر رہے گا! اور اب وہ دن دور نہیں کہ جب ان عتبات عالیہ کا سرپرست پردہ غیبت سے آئے اور اس روئے زمین پر "یملأ الأرض قسطا و عدلا کما ملئت ظلما و جورا" کا نقارہ ہر طرف بجنے لگے۔

آخر میں اللہ کی بارگاہ میں دعا کرتے ہیں کہ بقیع کے اصلی وارث کے ظہور میں تعجیل فرمائے اور وہ دن دیکھنا نصیب ہو کہ جب پرچم اسلام مکہ و مدینہ کے ایوانوں پر لہرائے اور ظالم کے لئے اپنی حقیقت اور مظلوم کی طاقت کا اندازہ لگانا مشکل نہ ہو۔

★★★★★

## تعاون کی گذارش

تمام صاحبان قلم اور شعراء کرام سے گذارش ہے کہ مذہبی وسماجی موضوعات پر اپنے رشحات قلم ہدیٰ مشن کو ارسال فرمائیں

# مذموم دنیا اور ممدوح دنیا

تحریر: آیۃ اللہ محمد مہدی آصفی طاب ثراہ ترجمہ: منظر صادق زیدی

اکثر دیکھا جاتا ہے کہ بعض اوقات یہی دنیا بہت بری نظر آتی ہے لیکن کچھ دیگر لحاظ سے یہی دنیا بہت ہی حسین اور پسندیدہ قرار پاتی ہے آخر اس میں کون سا راز پوشیدہ ہے اور وہ کون سی دنیا ہے جو پسندیدہ ہے اور کون سی دنیا ہے جو روایات معصومین علیہم السلام کی نظر میں ناپسند ہے اس کی مختصری تحقیق آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

## (۱) مذموم دنیا

دنیا کے دو چہرے ہیں: (۱) ظاہری (۲) باطنی

دنیا کا ظاہری چہرہ فریب کا سرچشمہ ہے۔ یہ چہرہ انسانی نفس میں حب دنیا کا جذبہ پیدا کرتا ہے جبکہ باطنی چہرہ ذریعۂ عبرت ہے یہ انسان کے نفس میں زہد کا باعث ہوتا ہے روایات کے مطابق دنیا کا ظاہری چہرہ مذموم ہے اور باطنی چہرہ ممدوح ہے۔

ایسا نہیں ہے کہ واقعاً دنیا کے دو چہرے ہیں یہ فرق درحقیقت دنیا کو دیکھنے کے انداز سے پیدا ہوتا ہے ورنہ دنیا اور اسکی حقیقت ایک ہی ہے۔ فریب خوردہ نگاہ سے اگر دنیا کو دیکھا جائے تو یہ دنیا مذموم ہوجاتی ہے اور اگر دیدۂ عبرت سے دنیا پر نگاہ کی جائے تو یہی دنیا ممدوح قرار پاتی ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ لذات وخواہشات سے لبریز دنیا کا ظاہری چہرہ ہی مذموم ہے۔

یہاں پر دنیا کے مذموم رخ کے بارے میں چند روایات پیش کی جارہی ہیں۔

امیر المومنین حضرت علیؑ نے فرمایا: "الدنیا سوق الخسران" "دنیا گھاٹے کا بازار ہے"

آپؑ ہی کا ارشاد ہے: "الدنیا مصرع العقول" ''دنیا عقلوں کا میدان جنگ ہے''

آپؑ ہی کا ارشاد ہے: "الدنیا ضحکة مستعبر" ''دنیا چشم گریاں رکھنے والے کے لئے ایک ہنسی ہے''

ایک جگہ آپؑ نے ارشاد فرمایا: "الدنیا مطلقة لا کیاس" ''دنیا ذہین لوگوں کی طلاق شدہ بیوی ہے''

دنیا کے بارے میں آپ کے بعض دوسرے اقوال یہ ہیں: "الدنیا معدن الشرور، ومحل الغرور" ''دنیا شر وفساد کا معدن اور دھوکے کی جگہ ہے'' "الدنیا لا تصفو لشارب، ولا تفی لصاحب" ''دنیا کسی پینے والے کے لئے صاف وشفاف اور کسی کے لئے باوفا ساتھی نہیں ہے'' "الدنیا مزرعة الشر" ''دنیا شر وفساد کی کاشت کی جگہ ہے'' "الدنیا مُنیة الاشقیاء" ''دنیا اشقیاء کی آرزو ہے'' "الدنیا تُسلِم" ''دنیا دوسروں کے حوالے کر دیتی ہے'' "الدنیا تُذِل" ''دنیا ذلیل کرنے والی ہے''۔

## دنیا سے بچاؤ

امیر المومنین حضرت علیؑ ہمیں دنیا سے اس انداز سے ڈراتے ہیں:

"أحذرکم الدنیا فانها لیست بدار غبطة، قد تزیّنت بغرورها، وغرّت بزینتها لمن ینظر الیها" ''میں تمہیں دنیا سے ڈراتا ہوں کیونکہ یہ فخر ومباہات کا گھر نہیں ہے۔ یہ اپنے فریب سے مزین ہے اور جو شخص اسکی طرف دیکھتا ہے اسے اپنی زینت سے دھوکے میں مبتلا کر دیتی ہے''۔

ایک اور مقام پر آپ کا ارشاد گرامی ہے: "أحذرکم الدنیا فانها حلوة خضرة، حفت بالشهوات" ''میں تمہیں اس دنیا سے بچنے کی تاکید کرتا ہوں کہ یہ دنیا سرسبز وشیریں اور شہوتوں سے گھری ہوئی ہے''۔ آپ ہی کا ارشاد ہے: "احذروا هذه الدنیا، الخدّاعة الغدّارة، التی قد تزیّنت بحلیها، وفتنت بغرورها، فاصبحت کالعروسة المجلوة، والعیون الیها ناظرة"

''اس دھوکے باز مکار دنیا سے بچو یہ دنیا زیورات سے آراستہ اور فتنہ سامانیوں کی وجہ سے سجی سجائی دلہن کی مانند ہے کہ آنکھیں اسی کی طرف لگی رہتی ہیں''۔

## ب: ممدوح دنیا

دنیا کا دوسرا رخ اور اس کے بارے میں جو دوسرا نظریہ ہے وہ قابل مدح وستائش ہے البتہ یہ قابل

ستائش رخ اس دنیا کے باطن سے نکلتا ہے جو قابل زوال ہے جبکہ مذموم رخ ظاہری دنیا سے متعلق تھا۔

بہر حال یہ طے شدہ بات ہے کہ دنیا کے دو رخ ہیں ایک ممدوح دوسرا مذموم۔ ممدوح رخ کے اعتبار سے دنیا نقصان دہ نہیں ہے بلکہ نفع بخش ہے اور مضر ہونے کے بجائے مفید ہے اسی رخ سے دنیا آخرت تک پہونچانے والی، مومن کی سواری، دار صدق اور اولیاء کی تجارت گاہ ہے۔ لہذا دنیا کے اس رخ کی مذمت صحیح نہیں ہے روایات کے آئینہ میں دنیا کے اس رخ کو بھی ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) دنیا آخرت تک پہونچانے والی

امام زین العابدینؑ نے فرمایا: "الدنیا دنیاء ان، دنیا بلاغ، و دنیا ملعونة"

''دنیا کی دو قسمیں ہیں، دنیائے بلاغ اور دنیائے ملعونۃ'' دنیائے بلاغ سے مراد یہ ہے کہ دنیا انسان کو آخرت تک پہونچاتی ہے اور خدا تک رسائی حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ بلاغ کے یہی معنی ہیں اور یہ دنیا کی پہلی قسم ہے۔ دوسری دنیا جو ملعون ہے وہ دنیا وہ ہے جو انسان کو اللہ سے دور کرتی ہے اس لئے کہ لعن بھگانے اور دور کرنے کو کہتے ہیں اب ہر انسان کی دنیا انہیں دو میں سے کوئی ایک ضرور ہے یا وہ دنیا جو خدا تک پہونچاتی ہے یا وہ دنیا جو خدا سے دور کرتی ہے۔

اسی سے ایک حقیقت اور واضح ہو جاتی ہے کہ انسان دنیا میں کسی ایک مقام پر ٹھہرا نہیں رہتا ہے بلکہ یا تو وہ قرب خدا کی منزلیں طے کرتا رہتا ہے یا پھر اس سے دور ہوتا جاتا ہے۔

امیر المومنین حضرت علیؑ کا ارشاد ہے: "لاتسالوا فیھا فوق الکفاف، ولا تطلبوا منھا اکثر من البلاغ" ''اس دنیا میں ضرورت سے زیادہ کا سوال مت کرو اور نہ ہی کفایت بھر سے زیادہ کا مطالبہ کرو''۔

اس طرح اس دنیا کا مقصد (بلاغ) ہے اور انسان دنیا میں جو بھی مال و متاع حاصل کرتا ہے وہ صرف اس مقصد تک پہونچنے کے لئے ایک ذریعہ اور وسیلہ ہے اس طرح انسان کی ذمہ داری ہے کہ دنیا میں صرف اتنا ہی طلب کرے جس سے اپنے مقصود تک پہونچ سکے لہذا اس مقدار سے زیادہ مانگنے کی ضرورت نہیں ہے اور نہ ہی وسیلے کو مقصد بنانا چاہئے اور یہ یاد رکھنا چاہئے کہ دنیا وسیلہ ہے آخری مقصد نہیں ہے بلکہ آخری مقصد آخرت اور خدا تک رسائی ہے۔

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کا ارشاد ہے: "الدنیا خلقت لغیرھا، ولم تخلق

لنفسھا" دنیا اپنے لئے نہیں بلکہ اپنے غیر (آخرت تک رسائی) کیلئے خلق کی گئی ہے"۔

وسیلہ کو مقصد قرار دے دیا جائے یہ بھی غلط ہے اسی طرح واسطہ کو وسیلہ اور مقصد (دونوں) قرار دینا بھی غلط ہے اسی لئے امیر المومنینؑ نے فرمایا ہے کہ دنیا کو صرف اس مقدار میں طلب کرو جس سے آخرت تک پہونچ سکو۔

لیکن خود حصول دنیا کے سلسلے میں آپؑ نے فرمایا کہ صرف بقدر ضرورت سوال کرو۔ امامؑ کے اس مختصر سے جملے میں حصول کے لئے سعی وکوشش کے سلسلہ میں اسلام کا مکمل نظریہ موجود ہے۔ چونکہ مال ومتاع دنیا آخرت تک پہونچنے کا ذریعہ ہے لہذا کسب معاش اور تحصیل رزق ضروری ہے لیکن اس تلاش وجستجو میں ''بقدر ضرورت'' کا خیال رکھنا ضروری ہے اور ''بقدر'' ضرورت سے مراد وہ مقدار ہے کہ جس کے ذریعہ دنیاوی زندگی پوری ہوتی رہیں اور آخرت تک رسائی ہو سکے انسانی ضرورت واقعی اور ضروری بھی ہوتی ہے اور غیر واقعی یا وہمی بھی۔ یعنی اسے زندہ رہنے اور آخرت تک رسائی کے لئے جن چیزوں کی ضرورت ہے وہ حقیقی ضرورتیں ہیں۔ اور ان کے علاوہ کچھ غیر ضروری چیزیں بھی احتیاج وضرورت کی شکل میں انسان کے سامنے آتی ہیں جو درحقیقت حرص وطمع ہے اور ان کا سلسلہ کبھی ختم ہونے والا نہیں ہے اگر انسان ایک مرتبہ ان کی گرفت میں آ گیا تو پھر ان کی کوئی انتہا نہیں ہوتی۔ ان کی راہ میں جد وجہد کرتے ہوئے انسان ہلاک ہو جاتا ہے مگر اس جد وجہد سے اذیت وطمع میں اضافہ ہی ہوتا ہے۔

> اگر انسان دنیا کو آخرت کا وسیلہ قرار دیتا ہے تو یہ دنیا اس کے لئے ذخیرہ بن جاتی ہے نیز دنیا وآخرت میں اس کے کام آتی ہے لیکن اگر وسیلہ کے بجائے اسے مقصد بنا لے تو یہ اللہ سے غافل کرتی ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے جد بزرگوار حضرت علی علیہ السلام کا یہ قول نقل فرمایا ہے: "یابن آدم: ان کنت ترید من الدنیا ما یکفیک فان ایسر ما فیھا یکفیک، وان کنت انما

تریدمال یکفیک فان کل مافیھا یکفیک "''اے فرزند آدم اگر تو دنیا سے بقدر ضرورت کا خواہاں ہے تو تھوڑا بہت، جو کچھ تیرے پاس ہے وہی کافی ہے اور اگر تو اتنی مقدار میں دنیا کا خواہاں ہے جو تیری ضرورت سے زیادہ ہے تو پھر دنیا میں جو کچھ ہے وہ بھی ناکافی ہے''

دنیا کے بارے میں یہ دقیق نظریہ متعدد اسلامی روایات اور احادیث میں وارد ہوا ہے۔

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کا ارشاد ہے:" الا و ان الدنیا دار لا یسلم منھا الا فیھا، و لا ینجی بشئ کان لھا، ابتلی الناس بھا فتنۃ، فما اخذوہ منھا لھا أخرجوا منہ و حوسبوا علیہ، وما اخذوہ منھا لغیرھا قدموا علیہ و اقاموا فیہ"

''آگاہ ہو جاؤ کہ یہ دنیا ایسا گھر ہے جس سے سلامتی کا سامان اسی کے اندر سے کیا جا سکتا ہے اور کوئی ایسی شئ وسیلۂ نجات نہیں ہو سکتی جو دنیا ہی کے لئے ہو۔ لوگ اس دنیا کے ذریعہ آزمائے جاتے ہیں۔ جو لوگ دنیا کا سامان، دنیا ہی کے لئے حاصل کرتے ہیں وہ اسے چھوڑ کر چلے جاتے ہیں اور پھر حساب بھی دینا ہوتا ہے اور جو لوگ یہاں سے وہاں کے لئے حاصل کرتے ہیں وہ وہاں جا کر پا لیتے ہیں اور اسی میں مقیم ہو جاتے ہیں یہ دنیا در حقیقت صاحبان عقل کی نظر میں ایک سایہ جیسی ہے جو دیکھتے دیکھتے سمٹ جاتا ہے اور پھیلتے پھیلتے کم ہو جاتا ہے''

ان کلمات میں اختصار کے باوجود بے شمار معانی و مطالب پائے جاتے ہیں (دار لا یسلم منھا الا فیھا) اس فقرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان سے فرار اور خدا تک رسائی کے لئے دنیا مومن کی سواری ہے اس کے بغیر اس کی بارگاہ میں رسائی ممکن نہیں ہے عجیب و غریب بات ہے کہ دنیا اور لوگوں سے کنارہ کشی کرنے والا قرب خدا کی منزل مقصود تک نہیں پہونچ سکتا بلکہ اللہ یہ چاہتا ہے کہ بندہ اسی دنیا میں رہ کر اسی دنیا کے سہارے اپنی منزل مقصود حاصل کرے۔ لہذا ان کلمات سے پہلی حقیقت تو یہ آشکار ہوئی ہے کہ دنیا واسطہ اور وسیلہ ہے اس کو نظر انداز کر کے مقصد حاصل نہیں کیا جا سکتا۔

لیکن یہ بھی خیال رہے کہ دنیا مقصد نہ بننے پائے۔ اگر انسان دنیا کو وسیلہ کے بجائے ہدف اور مقصد بنا لے گا تو ہرگز نجات حاصل نہیں کر سکتا (و لا ینجی لشی کان لھا) اس طرح اگر انسان نے دنیا کو اس کی اصل حیثیت ''واسطہ و وسیلہ'' سے الگ کر دیا اور اسی کو ہدف بنا لیا تو پھر دنیا شیطان سے نجات

اور خدا تک پہنچانے کی صلاحیت کھو بیٹھتی ہے یہ دوسری حقیقت ہے جو ان کلمات میں موجود ہے۔

اور پھر اگر انسان دنیا کو خدا، قرب خدا اور رضائے الٰہی حاصل کرنے کے بجائے خود دنیا کی خاطر اپناتا ہے تو یہی دنیا اس کو خدا سے دور کر دیتی ہے۔ اس دنیا کا عجیب و غریب معاملہ ہے یعنی اگر انسان اسے وسیلہ اور خدا تک رسائی کا ذریعہ قرار دیتا ہے تو یہ دنیا اس کے لئے ذخیرہ بن جاتی ہے اور اس کے لئے باقی رہتی ہے نیز دنیا و آخرت میں اس کے لئے کام آتی ہے لیکن اگر وسیلہ کے بجائے اسے مقصد بنالے تو یہ اللہ سے غافل کرتی ہے۔ خدا سے دور کر دیتی ہے موت کے بعد انسان سے جدا ہو جاتی ہے اور بارگاہ الٰہی میں اس کا سخت ترین حساب لیا جاتا ہے۔

یہ بھی پیش نظر رہے کہ یہ فرق کمیت اور مقدار کا نہیں ہے بلک کیفیت کا ہے اور عین ممکن ہے کہ انسان وسیع و عریض دنیا کا مالک ہو لیکن اس کا استعمال راہ خدا میں کرتا ہو اس کے ذریعہ قرب خدا کی منزلیں طے کرتا ہو ایسی صورت حال میں یہ دنیا اس کے لئے ''عمل صالح'' شمار ہوگی اس کے برخلاف ہوسکتا ہے کہ مختصر سی دنیا اور اسباب دنیا ہی انسان کے پاس ہوں لیکن اس کا مقصد خود ہی دنیا ہو تو یہ دنیا اس سے چھین لی جائے گی اسکا محاسبہ کیا جائے گا۔

اگر خود یہی دنیا انسان کے مدنظر ہو تو اس کی حیثیت ''عاجل'' ''نقد'' کی سی ہے جو کہ اسی دنیا تک محدود ہے اور اس کا سلسلہ آخرت سے متصل نہ ہوگا بلکہ زائل ہو کر جلد ختم ہو جائے گی لیکن اگر دنیا کو دوسرے (آخرت) کے لئے اختیار کیا جائے تو اسکی حیثیت ''آجل'' ''ادھار'' کی سی ہوگی کہ جب انسان حضور پروردگار میں پہونچے گا تو وہاں دنیا کو حاضر و موجود پائے گا۔ ایسی زائل دنیا زائل ہونے والی نہیں ہے بلکہ باقی رہے گی ''وما عند اللہ خیر و ابقیٰ'' امیر المومنینؑ کے اس فقرہ ''ومام اخذوہ منھا لغیرھا قدموا علیہ و اقاموا فیہ'' سے یہ چوتھا نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔

زیارت امام حسینؑ سے متعلق دعا میں نقل ہوا ہے: "ولا تشغلنی بالاکثار علیّ من الدنیا، تلھینی عجائب بھجتھا، و تفتننی زھرات زینتھا، ولا باقلال یضرّ بعملی، ویملاء صدری ھمّہ" ''کثرت دنیا سے میرے قلب کو مشغول نہ کر دینا کہ اس کے عجائبات مجھے تیری یاد سے غافل کر دیں یا اسکی زینتیں مجھے اپنے فریب میں لے لیں اور نہ ہی دنیا میں میرا حصہ اتنا کم قرار دینا کہ

میرے اعمال متاثر ہوجائیں اور میرا دل اسی کے ہم وغم میں مبتلا رہے''

دنیا اور اس سے انسان کے تعلق، بقاء وزوال، اسکے مفید ومضر ہونے کے بارے میں اس سے قبل جو کچھ بیان کیا گیا وہ کیفیت کے اعتبار سے تھا کمیت ومقدار سے اس کا تعلق نہیں تھا لیکن حقیقت یہ ہے کہ کمیت ومقدار بھی اسی میں دخیل ہے کہ کثرت دنیا اور اس کی آسائشیں انسان کو اپنے میں مشغول کر کے یاد خدا سے غافل بنا دیتی ہیں بہت کم ایسا ہوتا کہ دنیا میں بڑا حصہ ہونے کے باوجود انسان دنیا میں گم نہ ہو یا یہ زیادتی اسے خدا سے دور نہ کردے اسکے لئے سخت جدوجہد درکار ہوتی ہے اور اسی طرح اگر دنیاوی حصہ کم ہو، دنیا روگردانی کر رہی ہو تو یہ بھی انسان کی آزمائش کا ایک اندازہ ہوتا ہے کہ انسان کا ہم وغم اور اس کی فکریں دنیا کے بارے میں ہوتی ہیں اور وہ خدا کو بھول جاتا ہے اسی لئے اس دعا میں حد متوسط کا مطالبہ کیا گیا ہے کہ نہ تو اتنی کثرت ہو جس سے انسان یاد خدا سے غافل ہوجائے اور نہ اتنی قلت ہو کہ انسان اسی کی تلاش میں سرگرداں رہے اور خدا کو بھول بیٹھے۔

(۲) دنیا مومن کی سواری

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے: "لاتسبو الدنیا فنعمت مطیة المومن، فعلیها یبلغ الخیر وبها ینجو من الشر" ''دنیا کو برا مت کہو یہ مومن کی بہترین سواری ہے اسی پر سوار ہوکر خیر تک پہونچا جاتا ہے اور اسی کے ذریعہ شر سے نجات حاصل ہوتی ہے''۔

اس حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا سواری کی حیثیت رکھتی ہے جس پر سوار ہوکر انسان خدا تک پہونچتا ہے اور جہنم سے فرار اختیار کرتا ہے۔

یہ دنیا کا قابل ستائش رخ ہے اگر دنیا نہ ہوتی تو انسان رضائے الٰہی کے لئے کام کیسے بجا لاتا، کیسے خدا تک پہونچتا؟ اولیاء خدا اگر قرب خداوندی کے بلند مقامات تک پہونچے ہیں تو وہ بھی اسی دنیا کے سہارے سے پہونچے ہیں۔

(۳) دنیا صدقات واعتبار کا گھر ہے۔

(۴) دنیا دار عافیت ہے۔

(۵) دنیا استغنا اور زاد راہ حاصل کرنے کی جگہ ہے۔

(۶) دنیا موعظہ کا مقام ہے۔
(۷) دنیا محبان خدا کی مسجد ہے۔
(۸) دنیا اولیائے الٰہی کے لئے محل تجارت ہے۔

امیر المومنین حضرت علیؑ نے جب ایک شخص کو دنیا کی مذمت کرتے ہوئے سنا تو فرمایا: "ایھا الذام للدنیا المغترّ بغرورھا المنخدع باباطیلھا! اتغتر بالدنیا ثم تذمھا، انت المتجرم علیھا ام ھی المتجرّمۃ علیک؟ متیٰ استھوتک؟ ام متی غرتک۔۔۔"

''اے دنیا کی مذمت کرنے والے اور اسکے فریب میں مبتلا ہو کر اسکے مہملات میں دھوکا کھا جانے والے! تو اسی سے دھوکا بھی کھاتا ہے اور اسکی مذمت بھی کرتا ہے؟ یہ بتاؤ کہ تجھے اس پر الزام لگانے کا حق ہے یا اسے تجھ پر الزام لگانے کا حق ہے؟ آخر اس نے کیا تجھ سے تیری عقل کو چھین لیا تھا اور کب تجھ کو دھوکہ دیا تھا؟ کیا تیرے آباء واجداد کہ کہنگی کی بناء پر گرنے سے دھوکا دیا ہے یا تمہاری ماؤں کی زیر خاک خواب گاہ سے دھوکا دیا ہے؟ کتنے بیمار ہیں جن کی تم نے تیمارداری کی ہے اور اپنے ہاتھوں سے ان کا علاج کیا ہے اور چاہا کہ وہ شفایاب ہو جائیں اور اطباء سے رجوع بھی کیا ہے۔

یادرکھو کہ دنیا باور کرنے والے کے لئے سچائی کا گھر اور سمجھدار کے لئے امن وعافیت کی منزل اور ملائکہ آسمان کا مصلی ہے یہیں وحی الٰہی کا نزول ہوتا ہے اور یہیں اولیائے خدا آخرت کا سودا کرتے ہیں۔

اس صبح کے ہنگام جب نہ کوئی دوا کام آرہی تھی اور نہ رونا دھونا فائدہ پہنچا رہا تھا۔ نہ تمہاری ہمدردی کسی کو کوئی فائدہ پہنچا سکی اور نہ تمہارا مقصد ہو سکا اور نہ تم موت کو دفع کر سکے۔ اس صورت حال میں دنیا نے تم کو اپنی حقیقت دکھلا دی تھی اور تمہیں تمہاری ہلاکت سے آگاہ کر دیا تھا (لیکن تمہیں ہوش نہ آیا) یادرکھو کہ دنیا باور کرنے والے کے لئے سچائی کا گھر اور سمجھدار کے لئے امن وعافیت کی منزل اور ملائکہ آسمان کا مصلی ہے یہیں وحی الٰہی کا نزول ہوتا ہے اور یہیں اولیائے خدا آخرت کا سودا کرتے ہیں

جس کے ذریعہ رحمت کو حاصل کر لیتے ہیں اور جنت کو فائدہ میں لے لیتے ہیں کسے حق ہے کہ اسکی مذمت کرے جبکہ اس نے اپنی جدائی کا اعلان کر دیا ہے اور اپنے فراق کی آواز لگا دی ہے اور اپنے رہنے والوں کی سنانی سنادی ہے اپنی بلا سے ان کے ابتلا کا نقشہ پیش کیا ہے اور اپنے سرور سے آخرت کے سرور کی دعوت دی ہے۔

اسکی شام عافیت میں ہوتی ہے تو صبح مصیبت میں ہوتی ہے تا کہ انسان میں رغبت بھی پیدا ہو اور خوف بھی۔ اسے آگاہ بھی کر دے اور ہوشیار بھی بنا دے۔ کچھ لوگ ندامت کی صبح اسکی مذمت کرتے ہیں اور کچھ لوگ قیامت کے روز اسکی تعریف کریں گے۔ جنہیں دنیا نے نصیحت کی تو انہوں نے اسے قبول کر لیا اس نے حقائق بیان کئے تو اسکی تصدیق کر دی اور موعظہ کیا تو اسکے موعظہ سے اثر لیا''۔

(۹) دنیا بازار ہے

حضرت امام علی نقیؑ نے فرمایا: "الدنیا سوق ربح فیھا قوم و خسر آخرون"

''دنیا ایک بازار ہے جہاں ایک قوم فائدہ میں ہے اور دوسری قوم خسارے میں''

(۱۰) دنیا آخرت کے لئے مددگار ہے

امام محمد باقرؑ کا ارشاد ہے: "نعم العون الدنیا علی الآخرۃ"

''دنیا آخرت کے لئے بہترین مددگار ہیں''

(۱۱) دنیا ذخیرہ (خزانہ) ہے

امیر المومنینؑ کا ارشاد ہے: "الدنیا ذخر و العلم دلیل" ''دنیا خزانہ ہے اور علم رہنما''

(۱۲) دنیا دار المتقین ہے

قول پروردگار "ولنعم دار المتقین" کی تفسیر کے ذیل میں امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ:

''اس سے مراد ''دنیا'' ہے۔

خداوند عالم سے دعا ہے کہ وہ ہمیں مذموم دنیا سے محفوظ رکھے اور دنیا کو ہمارے لئے آخرت کی کھیتی بنا دے جو ہماری نجات کا ذریعہ ہو۔ آمین

★★★★★

# امام رضاؑ کی روایات میں امامت اور نبوت کا تقابل

عالیجناب مولانا مرزا عسکری صاحب

امام رضاؑ کی روایات میں امامت اور نبوت کے درمیان مقائسہ اور امام اور پیغمبر کے درمیان بے شمار صفات میں اشتراک و یکسانیت کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ ان روایات کے مطالعہ اور ان کی تحلیل سے یہ نتیجہ حاصل کیا جاسکتا ہے کہ امامت کے حقدار صرف وہ لوگ ہو سکتے ہیں، جن میں بیشتر صفات پیغمبر کی پائی جاتی ہوں۔ ایسا نہیں ہے کہ جو کوئی بھی مسلمانوں کا خلیفہ یا حاکم یا اور کسی عہدہ پر فائز ہو، وہ خود کو امامت کا حقدار ماننے لگے۔

اس لئے سب سے پہلے امام و پیغمبر کے لغوی اور اصطلاحی معنی کو بیان کرنے کے بعد دونوں کے درمیان صفات میں اشتراک اور افتراقات نیز ان میں کس کو دوسرے پر برتری حاصل ہے بیان کیا جائے گا۔

## 1۔ پیغمبر کی تعریف

آیات و روایات میں "نبی" اور "رسول" پیغمبر کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اور قرآنی آیات میں ان دو اصطلاحوں کا استعمال تین صورتوں میں ہوا ہے:

الف: بعض آیات میں نبی کا لفظ جمع کی صورت میں "انبیاء" اور "نبیین" کی شکل میں استعمال ہوا ہے؛ جیسے سورہ بقرہ میں "فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ" (بقرہ، ۲۱۳)

"لَقَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ فَقِيرٌ وَنَحْنُ أَغْنِيَاءُ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوا وَقَتْلَهُمُ الْأَنبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ" (آل عمران، ۱۸۱)

ب: بعض آیتوں میں رسول اور اس کی جمع "رسل" کی شکل میں استعمال ہوئی ہے؛ جیسے: "يَوْمَ يَجْمَعُ اللَّهُ الرُّسُلَ فَيَقُولُ مَاذَا أُجِبْتُمْ" (مائدہ، ۱۰۹)

اور "وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَسُولٌ فَإِذَا جَاءَ رَسُولُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ" (یونس، ۴۷)

ج: بعض آیات میں دونوں لفظوں کا استعمال ہوا ہے، جیسے: "وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ" (حج، ۵۲)

"وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مُوسَىٰ إِنَّهُ كَانَ مُخْلَصًا وَكَانَ رَسُولًا نَّبِيًّا" (مریم، ۵۱)

نبی فعیل کے وزن پر فاعل (کام کرنے والا) کے معنی میں (نبأ) سے بنا ہے۔

(اسماعیل بن حماد جوھری، الصحاح ج ۱ ص ۷۴، کلمہ نبأ)

چنانچہ نبی لغت میں خبر دینے والے کے معنی میں ہے۔ اور پیغمبر کو نبی اس لئے کہتے ہیں کیونکہ وہ خدا کی جانب سے خبر لیکر آتا ہے۔ (سابقہ حوالہ)

بعض لغت داں حضرات ہر خبر کو (نبأ) نہیں مانتے ہیں، ان کی نظر میں (نبأ) اس خبر کو کہا جاتا ہے جس کا کوئی بڑا فائدہ ہوا اور اسے سن کر علم یا گمان حاصل ہو سکے۔ لہذا اگر کسی خبر میں یہ تین خصوصیت نہ ہو تو وہ اسے (نبأ) نہیں کہتے ہیں۔ (راغب اصفہانی، مفردات الفاظ قرآن، ص ۷۸۸۔۷۸۹، کلمہ نبأ)

دور حاضر کے بعض محققین کے مطابق گرچہ لغت کے اعتبار سے "رسالت" اور "نبوت" میں کوئی اشتراک نہیں پایا جاتا، لیکن مفہوم کے اعتبار سے "نبوت" کا مفہوم "رسالت" سے اعم اور وسیع ہے کیونکہ نبوت رسالت کا لازمہ ہے۔ رسول خدا کی جانب سے پیغام حاصل کرتا ہے، لہذا اس کا لازمہ یہ ہے کہ وہ خدا کی طرف سے خبر بھی حاصل کرے۔ قرآنی آیات اور روایات سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ مصداق کے اعتبار سے نبی اور رسول کے درمیان عام و خاص مطلق کی نسبت پائی جاتی ہے (یعنی معنی کے دائرہ کے اعتبار سے ایک کا دائرہ دوسرے سے زیادہ وسیع ہے)۔

(محمد تقی مصباح، راہ و راہنما شناسی، ص ۱۵)

اور اس اعتبار سے ہر رسول، نبی بھی ہے، لیکن ہر نبی، رسول نہیں ہوگا۔

امام رضاؑ اپنی ایک حدیث میں نبی اور رسول کے درمیان فرق کو اس طرح بیان فرماتے ہیں:

رسول وہ ہے جس پر جبرئیل نازل ہوں، وہ فرشتہ وحی کو دیکھے، ان کی بات سنے اور فرشتہ وحی ان پر پیغام خدا کو نازل کرے اور بسا اوقات رسول فرشتہ وحی کو خواب میں دیکھتا ہے، جیسے حضرت ابراہیمؑ کا خواب۔ جبکہ نبی فرشتہ وحی کی آواز سنتا ہے اور بسا اوقات اسے دیکھتا بھی ہے لیکن براہ راست فرشتہ وحی سے کوئی پیغام حاصل نہیں کرتا ہے۔ (محمد یعقوب کلینی، الکافی، ج ۱ ص ۱۷۲)

علم کلام میں پیغمبر اس شخص کو کہا جاتا ہے جو بغیر کسی انسانی واسطہ کے اللہ کا پیغام حاصل کرتا ہو۔

(حسن بن یوسف حلی، منہاج الیقین فی اصول الدین، ص ۴۰۳)

مذکورہ تعریف میں امام بھی شامل ہوجائے گا کیونکہ امام معصوم بھی الہام کے ذریعہ خدا کا پیغام حاصل کرتا ہے۔ اس بات کے پیش نظر پیغمبر کی تعریف یوں بیان کی جاسکتی ہے: وہ انسان کامل جو وحی کے ذریعہ پیغام خدا کو حاصل کرے اور دوسروں تک پہنچائے۔

(سید محسن خرازی، بدایۃ المعارف الالہیۃ، ج ۱ ص ۲۱۱)

## امام کی تعریف

لغت میں امامت قیادت کے معنی میں ہے۔

(ر۔ک۔ اسماعیل بن حماد جوہری، سابقہ حوالہ، ج ۵ ص ۱۸۶۵؛ راغب اصفہانی، وہی ماخذ، ص ۸۷؛ علی اکبر دہخدا؛ فرہنگ دہخدا، کلمہ ''امامت'')

ہر وہ شخص جو کسی گروہ کا رہبر ہو اسے امام کہتے ہیں، چاہے وہ گروہ حق پر ہو یا باطل پر، جیسا کہ سورہ توبہ کی ۱۲ ویں آیت میں "ائمہ کفر" کا لفظ کافروں کے لئے استعمال ہوا ہے۔ علم کلام میں امامت اسلامی معاشرہ کی ایسی قیادت کو کہتے ہیں جو ہر اعتبار سے تمام دینی اور دنیاوی امور کو شامل ہو۔

(ر۔ک۔ عبد الرزاق لاہیجی، گوہر مراد، ص ۳۲۹؛ سید علی میلانی، الامامۃ فی اہم الکتب الکلامیۃ، ص ۴۴؛ محمد تقی مصباح، آموزش عقاید، ج ۱۔ ۲ ص ۳۴۵۔۳۴۶)

مذکورہ تعریف کے پیش نظر امام اس شخص کو کہتے ہیں جو (اسلامی معاشرہ کی) تمام دینی اور دنیاوی قیادت کا مالک ہو اور یہ قیادت اسے رسولؐ کی جانشینی میں حاصل ہوئی ہو۔

## امام اور نبی کے مشترک صفات

آیات وروایات کے مطالعہ سے خاص طور سے امام رضاؑ کی روایات سے واضح ہوتا ہے کہ نبی اور امام کچھ صفات میں مشترک ہیں ۔ چنانچہ ذیل میں ان میں سے بعض کی طرف اشارہ کیا جارہا ہے۔سب سے پہلے یہاں دو حدیثیں بیان کی جائیں گی، جن سے یہ نمایاں ہوگا کہ ایسی بہت سی صفات ہیں جو امام اور نبی کے درمیان مشترک ہیں۔

امام رضاؑ فرماتے ہیں: امامت پیغمبروں کا عہدہ، اوصیاء کی میراث، الٰہی خلافت، رسول خدا کی جانشینی، امیر المومنین کا مقام اور امام حسن وحسینؑ کی یادگار ہے۔ امامت دین کی مہار، مسلمانوں کے درمیان نظم، مومنوں کی عزت اور دنیا آباد کرنے والا عہدہ ہے۔ بے شک امامت اسلام کی بنیاد اور اس کا ایک عظیم منارہ ہے۔نماز، روزہ، حج وزکات اور جہاد نیز مال غنیمت اور صدقات کی فراوانی، الٰہی حدود واحکام کا نفاذ اور اسلامی مملکت کی سرحدوں کی پاسبانی، (معصوم) امام ہی کے ذریعہ انجام پاتی ہے۔ امام حلال خدا کو حلال اور حرام خدا کو حرام باقی رکھتا ہے۔ اسی کے ذریعہ الٰہی حدود کا نفاذ ہوتا ہے اور وہ خدا کے دین کی حفاظت کرتا ہے نیز اپنے حکمت آمیز بیان اور دل نشین نصیحتوں اور محکم دلیلوں کے ذریعہ لوگوں کو دین خدا کی دعوت دیتا ہے۔ (سابقہ حوالہ)

> میری ذات سے متعلق دو لوگ ہلاک ہوگئے، جب کہ میں ان کے گناہ سے بری ہوں، میرا وہ دوست جو مجھے میری حد سے آگے بڑھادے اور وہ دشمن جو مجھے میرے مقام سے نیچے لائے۔ حضرت علیؑ

امامؑ نے اپنے شیعہ متکلمین اور کوفہ کے علماء ودانشوروں کے سامنے جن میں یہودی اور عیسائی بھی موجود تھے، فرمایا: یاد رکھنا پیغمبر اکرمؐ کے بعد امام (اور ان کا جانشین) صرف وہ شخص ہوسکتا ہے جو امامت کے منصب پر فائز ہونے کے بعد رسول اکرمؐ کے اہداف ومقاصد کو آگے بڑھا سکے۔

(قطب الدین راوندی، الخرائج والجرائح، ج ۱ ص ۳۵۰)

ذیل میں امام رضاؑ کے اقوال کی روشنی میں امام اور نبی کے درمیان موجود چند مشترک صفات کی طرف اشارہ کیا جارہا ہے:

۱۔ بندگی

امام رضاؑ نے انبیاء اور ائمہؑ کے بندے ہونے پر خاص تاکید کی ہے اور لوگوں کو غلو (کے شر) سے دور رہنے کو کہا ہے۔ اختصار کے پیش نظر اس سلسلہ میں امام رضاؑ سے منقول چند روایتوں کو پیش کر رہے ہیں۔

۱۔ مامون نے امام رضاؑ سے کہا: مجھے خبر ملی ہے کہ کچھ لوگ آپ کے بارے میں غلو سے کام لیتے ہیں اور آپ کو، آپ کی حدوں سے زیادہ بنا کر پیش کرتے ہیں۔ امام رضاؑ نے جواب دیا: میرے بابا موسی ابن جعفرؑ نے اپنے اجداد اور انہوں نے حضرت علی ابن ابی طالبؑ سے روایت کی ہے کہ رسول خداؐ فرماتے ہیں: مجھے میرے مقام سے بالا و برتر نہ کرو، بہ تحقیق کہ اللہ نے مجھے نبی بنانے سے قبل اپنا بندہ بنایا ہے۔ اللہ تبارک وتعالی کا ارشاد ہے:

" مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُؤْتِيَهُ اللهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادًا لِي مِنْ دُونِ اللهِ وَلَٰكِنْ كُونُوا رَبَّانِيِّينَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُونَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُونَ، وَلَا يَأْمُرَكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلَائِكَةَ وَالنَّبِيِّينَ أَرْبَابًا أَيَأْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ " کسی بشر کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ خدا اسے کتاب وحکمت اور نبوت عطا کردے اور پھر وہ لوگوں سے یہ کہنے لگے کہ خدا کو چھوڑ کر ہمارے بندے بن جاؤ بلکہ اس کا قول یہی ہوتا ہے کہ اللہ والے بنو کہ تم کتاب کی تعلیم بھی دیتے ہو اور اسے پڑھتے بھی رہتے ہو، وہ یہ حکم بھی نہیں دے سکتا کہ ملائکہ یا انبیاء کو اپنا پروردگار بنالو کیا وہ تمہیں کفر کا حکم دے سکتا ہے جب کہ تم لوگ مسلمان ہو۔ (آل عمران: ۷۹۔۸۰)

حضرت علیؑ نے بھی فرمایا ہے: میری ذات سے متعلق دو لوگ ہلاک ہوگئے، جب کہ میں ان کے گناہ سے بری ہوں۔ میرا وہ دوست جو مجھے میری حد سے آگے بڑھادے اور وہ دشمن جو مجھے میرے مقام سے نیچے لائے اور جو لوگ میرے حق میں غلو کرتے ہیں اور مجھے میری منزلت سے آگے بڑھاتے ہیں، میں بارگاہ خدا میں ان سے اسی طرح پناہ مانگتا ہوں جس طرح عیسی ابن مریم نے اللہ کی بارگاہ میں نصاری سے پناہ مانگی تھی: "إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللهِ شَيْئًا وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ، مَثَلُ مَا يُنْفِقُونَ فِي هَٰذِهِ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيحٍ فِيهَا

صِرٌّ أَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ فَأَهْلَكَتْهُ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللَّهُ وَلَٰكِنْ أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ "جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ان کے مال واولاد کچھ کام نہ آئیں گے اور یہ حقیقی جہنمی ہیں اور وہیں ہمیشہ رہنے والے ہیں، یہ لوگ زندگانی دنیا میں جو کچھ خرچ کرتے ہیں اس کی مثال اس ہوا کی ہے جس میں بہت پالا ہو اور وہ اس قوم کے کھیتوں پر گر پڑے جنہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے اور اسے تباہ کردے اور یہ ظلم ان پر خدا نے نہیں کیا ہے بلکہ یہ خود اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں۔ (آل عمران ۱۱۶۔۱۱۷)

۲۔۳۔اللہ کی طرف سے منصوب ہونا

قرآنی آیات اور روایات کے مطابق اللہ نے انسانوں میں سے کچھ لوگوں کو نبوت اور امامت کے لئے منتخب کیا ہے۔قرآن واحادیث میں زیادہ تر انتخاب کے لئے "اصطفاء" کا لفظ استعمال ہوا ہے؛ جیسے ارشاد پروردگار ہوتا ہے: " إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ "اللہ نے آدم علیہ السلام، نوح علیہ السلام اور آل ابراہیم علیہ السلام اور آل عمران علیہ السلام کو منتخب کرلیا ہے۔ (آل عمران؛ ۳۳)

دوسری آیت میں ارشاد ہوا:"قَالَ يَا مُوسَىٰ إِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسَالَاتِي وَبِكَلَامِي فَخُذْ مَا آتَيْتُكَ وَكُنْ مِنَ الشَّاكِرِينَ " ارشاد ہوا کہ موسیٰ، ہم نے تمام انسانوں میں اپنی رسالت اور اپنے کلام کے لئے تمہارا انتخاب کیا ہے لہذا اب اس کتاب کو لے لو اور اللہ کے شکر گذار بندوں میں ہوجاؤ۔ (اعراف؛ ۱۴۴)

جناب ابراہم علیہ السلام کے انتخاب کے بارے میں خدا نے فرمایا: " وَمَنْ يَرْغَبُ عَنْ مِلَّةِ إِبْرَاهِيمَ إِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهُ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ "اور کون ہے جو ملت ابراہیمی سے روگردانی کرے مگر یہ کہ اپنے ہی کو بے وقوف بنائے۔اور ہم نے انہیں دنیا میں منتخب قرار دیا ہے اور وہ آخرت میں نیک کردار لوگوں میں ہیں۔ (بقرہ؛ ۱۳۰)

اور بعض پیغمبروں کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے: " وَإِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْأَخْيَارِ "اور وہ ہمارے نزدیک منتخب اور نیک بندوں میں سے تھے۔

اس مفہوم کی وضاحت اس طرح ہوتی ہے کہ "اصطفاء" کی اصل "صفو" ہے، جس کا معنی ہر

چیز کو ملاوٹ سے دور رکھنا اور خالص کرنا۔ (احمد بن فارس، معجم مقاییس اللغۃ، ج ۳ ص ۲۹۲؛ راغب اصفہانی، سابقہ حوالہ، ص ۴۷۸، کلمہ "صفو")

اصطفاء یعنی کسی خالص شئ کا انتخاب اور اسے ہر غیر خالص چیز سے جدا کرنا۔ یہ معنی ولایت کے مراتب کے اعتبار سے عبودیت میں خلوص پر منطبق ہوتا ہے۔ عبودیت یعنی بندہ اپنی زندگی کے تمام امور میں اپنی بندگی اور مملوک خدا ہونے کو مدنظر رکھ کر اپنی زندگی گزارے اور سراپا اپنے پروردگار کے آگے تسلیم رہے۔ اور اس طرح تسلیم ہونے کے بعد اس کی زندگی کا ہر حصہ دین کا تابع ہوگا۔ (سید محمد حسین طباطبائی، سابقہ حوالہ، ج ۱ ص ۳۰۰)

لہذا مذکورہ آیات کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اللہ نے اپنے پیغمبروں کو اپنے لئے اور خاص اپنی بندگی کے لئے انتخاب کیا ہے۔ چنانچہ یہ خصوصیت امام میں بھی پائی جاتی ہے اور خداوند عالم نے امام کو بھی اسی طرح منتخب کیا ہے۔

امام رضاؑ سے منقول روایات میں نبی اور امام کے اس انتخاب کا تذکرہ آیا ہے۔ ان میں بعض روایات کو ذیل میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے:

۱۔ امام رضاؑ فرماتے ہیں: خدا کسی ایسے انسان کو اپنی رسالت کے لئے انتخاب نہیں کرتا ہے، جس کے بارے میں وہ جانتا ہے کہ وہ اس کی بندگی سے سرپیچی کرے گا اور اس کی بندگی چھوڑ کر شیطان کا تابع ہو جائے گا: "وَ لَا يَخْتَارُ لِرِسَالَتِهِ وَ لَا يَصْطَفِي مِنْ عِبَادِهِ مَنْ يَعْلَمُ أَنَّهُ يَكْفُرُ بِهِ وَ يَعْبُدُ الشَّيْطَانَ دُونَهُ" (محمد بن علی صدوق، سابقہ حوالہ، ج ۲ ص ۱۳۳)

۲۔ دوسری حدیث میں امامؑ فرماتے ہیں: امام صرف خدا کی طرف سے ہی منتخب ہوتا ہے اور خدا نے کائنات کی خلقت سے قبل ہی امام کا انتخاب کیا ہے: (فَالْإِمَامُ إِنَّمَا يَكُونُ إِمَاماً مِنْ قِبَلِ اللَّهِ تَعَالَى وَ بِاخْتِيَارِهِ إِيَّاهُ فِي بَدْءِ الصَّنِيعَةِ۔۔۔) (سابقہ حوالہ، ص ۲۱۰۔۲۱۱)

امام رضاؑ کی روایات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ نبوت یا امامت کے لئے کسی انسان کا انتخاب صرف خدا کے اختیار میں ہے۔

۳۔ ۳ حجت خدا ہونا

آیات وروایات اور عقلی دلیلوں سے یہ بات ثابت ہے کہ انبیاء اور امام حجت خدا ہوتے ہیں۔ خدا متعال ان کے ذریعہ لوگوں پر اپنی حجت تمام کرتا ہے۔ ان کے آنے کے بعد الٰہی معارف اور احکام خدا کو حاصل کرنے میں کوئی عذر نہیں بچتا۔ جیسا کہ قرآن میں اللہ کا ارشاد ہے: "رُسُلًا مُبَشِّرِينَ وَ مُنْذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ" یہ سارے رسول بشارت دینے والے اور ڈرانے والے اس لئے بھیجے گئے تا کہ رسولوں کے آنے کے بعد انسانوں کی حجت خدا پر قائم نہ ہونے پائے۔ (نساء:۱۶۵)

> امام حلال خدا کو حلال اور حرام خدا کو حرام باقی رکھتا ہے۔ اسی کے ذریعہ الٰہی حدود کا نفاذ ہوتا ہے۔ نیز اپنے حکمت آمیز بیان اور دل نشین نصیحتوں اور محکم دلیلوں کے ذریعہ لوگوں کو دین خدا کی دعوت دیتا ہے۔

امام کاظمؑ فرماتے ہیں: اے ہشام! اللہ نے لوگوں کے درمیان دو حجتیں رکھیں ہیں: حجت ظاہر اور حجت باطن؛ حجت ظاہر و آشکار اللہ کے رسول اور ائمہ ہیں اور حجت باطن انسانوں کی عقل ہے۔ (محمد بن یعقوب کلینی، سابقہ حوالہ، ج ۱ ص ۱۵)

ذیل میں اس سلسلہ میں امام رضاؑ کی چند روایات کو پیش کرتے ہیں جن میں آپ نے پیغمبر اور امام کو حجت خدا بتایا ہے:

۱۔ سلیمان بن جعفر حمیری کہتے ہیں: میں نے امام رضاؑ سے سوال کیا: کیا زمین حجت خدا کے بغیر باقی رہ سکتی ہے؟ امامؑ نے فرمایا: اگر زمین، پلک جھپکنے کے برابر بھی حجت سے خدا سے خالی ہو جائے تو وہ اپنے اہل (اس پر بسے لوگ) کو نگل جائے گی۔ (محمد بن علی صدوق، سابقہ حوالہ، ج ۱ ص ۲۴۸)

۲۔ امام رضاؑ فرماتے ہیں: جب بھی کوئی امام اس دنیا سے جاتا ہے اللہ اپنے بندہ کے لئے اسی امام کی نسل سے کسی دوسرے امام کو منتخب کرتا ہے تا کہ وہ اللہ کی نشانی، لوگوں کی ہدایت کرنے والا، ثابت قدم امام اور علم لدنی کا مالک حجت خدا ہو۔ اور ایسا امام ہو جو لوگوں کو راہ حق دکھانے والا ہو اور

عدل وانصاف کے ساتھ حکم وفیصلہ کرتا ہو نیز حجت خدا اور لوگوں کو خدا کی جانب دعوت دیتا ہو۔۔۔:" كُلَّمَا مَضَى مِنْهُمْ إِمَامٌ نَصَبَ لِخَلْقِهِ مِنْ عَقِبِهِ إِمَاماً عَلَماً بَيِّناً وَ هَادِياً نَيِّراً وَ إِمَاماً قَيِّماً وَ حُجَّةً عَالِماً أَئِمَّةً مِنَ اللَّهِ يَهْدُونَ بِالْحَقِّ وَ بِهِ يَعْدِلُونَ حُجَجُ اللَّهِ وَ دُعَاتُه۔۔۔" (سابقہ حوالہ، ص ۲۰۳)

۴۔ ۳۔ الٰہی خلافت

قرآنی آیات اور روایات سے یہ ثابت ہے کہ نبی اور امام زمین پر اللہ کے خلیفہ اور جانشین ہوتے ہیں۔ خدا نے اپنے فرشتوں کے درمیان اعلان کیا کہ میں اپنا جانشین بنانے جارہا ہوں: "وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً" (بقرہ: ۳۰)

جیسا کہ خود خلافت کے لفظ سے نمایاں ہے کہ خلافت اسی وقت صحیح اور مکمل ہوسکتی ہے جب خلیفہ اور جانشین اپنی اصل کا آئینہ ہو۔ اس کے اندر جانشین بنانے والے تمام اوصاف وکمالات اور آثار و احکام نیز اس کی وہ تمام تدابیر جس کے لئے اس نے اس شخص کو خلیفہ وجانشین مقرر کیا ہے، موجود ہوں۔ (سید محمد باقر موسوی ہمدانی، ترجمہ المیزان، ج ۱ ص ۱۷۷؛ سید محمد حسین طباطبائی، سابقہ حوالہ، ج ۱ ص ۱۱۵)

مذکورہ آیت اور اس کے بعد والی آیات سے دو باتیں سامنے آتی ہیں:

۱۔ آیت میں خلافت سے مراد، زمین پر اللہ کی جانشینی ہے۔

۲۔ مذکورہ خلافت حضرت آدمؑ سے مخصوص اور آپؐ تک محدود نہیں ہے، بلکہ اولاد آدمؑ بھی اس کمال میں، ان کے شریک ہیں۔ اس حقیقت کو مندرجہ ذیل آیات کے ذریعہ ثابت کیا جاسکتا ہے: "إِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ مِنْ بَعْدِ قَوْمِ نُوحٍ" کہ تم کو اس نے قوم نوح علیہ السّلام کے بعد زمین میں جانشین بنایا ہے۔ (اعراف: ۶۹)

"ثُمَّ جَعَلْنَاكُمْ خَلَائِفَ فِي الْأَرْضِ" اس کے بعد ہم نے تم کو روئے زمین پر ان کا جانشین بنادیا (یونس: ۱۴)

"وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ الْأَرْضِ" اور تمہیں زمین پر خلیفہ بنائے گا۔ (نمل: ۶۲)

(سابقہ حوالہ ص ۱۷۸۔۱۷۹؛ سابقہ حوالہ، ج ۱ ص ۱۱۶)

۵۔ ۳۔ عصمت

نبی کی ایک صفت جو امام میں بھی پائی جاتی ہے، وہ عصمت ہے۔لغت میں عصمت کی اصل ''عصم''، یعنی دور رکھنا۔ اور روکنا۔ (اسماعیل بن حماد جوہری کلمہ ''عصم'') (راغب اصفہانی، کلمہ ''عصم'')

اور عصمت یعنی اللہ اپنے بندہ کو کسی بھی قسم کی برائی میں مبتلا ہونے سے محفوظ رکھتا ہے۔ (احمد بن فارس، سابقہ حوالہ)

متکلمین کی نظر میں: عصمت ایک ایسی طاقت وقوت ہے جو انسان کو گناہوں اور لغزشوں میں مبتلا ہونے سے روکتی ہے۔ (جعفر سبحانی، عصمۃ الانبیاء، ص ۲۰)

البتہ پیغمبروں یا دوسرے انسانوں (اماموں) کے معصوم ہونے کا مطلب صرف گناہوں سے محفوظ رہنا نہیں ہے کیونکہ ایک عام انسان کے لئے بھی ممکن ہے کہ وہ گناہوں سے محفوظ رہے (مثال کے طور پر کم عمری کے سبب گناہ انجام نہ دے)۔ بلکہ معصوم ہونے کا مطلب یہ ہے برے سے برے حالات میں بھی گناہ سے دور رہے۔ (محمد تقی مصباح، آموزش عقاید، ج ۱۔ ۲، ص ۲۳۷)

شیعوں کو عقیدہ یہ ہے کہ انبیاء اپنی پیدائش سے عمر کے آخر حصہ تک تمام کبیرہ اور صغیرہ گناہوں سے محفوظ رہتے ہیں، یہاں تک کہ بھولے سے بھی ان سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہوتا۔

شیعہ اور اہل سنت کے درمیان اس اختلاف کی اصل بنیاد ''امامت'' کی تعریف ہے۔شیعوں کی نظر میں امامت رسالت کا تداوم ہے، لہذا وہ امام کے لئے عصمت کو ضروری مانتے ہیں۔جبکہ اہل سنت کی نظر میں امامت کو یہ تقدس حاصل نہیں ہے۔ ان کی نظر میں امامت محض ایک ظاہری حکومت کی حیثیت رکھتی ہے۔لہذا وہ امام کو ایک عام اور معمولی انسان سمجھتے ہیں اور اس کے لئے عدالت (یعنی گناہوں اور ظلم وستم سے دوری) کو بھی ضروری نہیں سمجھتے ہیں، یا پھر بہت معمولی حد تک عدالت کو ضروری سمجھتے ہیں۔

امام رضاؑ کی وہ احادیث جن میں نبی اور امام کے لئے عصمت ضروری ہے، ذیل میں ان میں سے بعض کو ملاحظہ کیا جا سکتا ہے:

۱۔علی بن محمد بن جہم اور مامون نے امام رضاؑ کی خدمت میں انبیاء کی عصمت سے متعلق چند شبہات پیش کئے تو امامؑ نے ان کا جواب دیا: علی بن محمد بن جہم نے امام رضاؑ کی خدمت عرض کیا: کیا

آپؑ کی نظر میں انبیاء کے لئے عصمت ضروری ہے؟ امامؑ جواب دیا: ہاں۔ پھر علی بن محمد بن جہم نے قرآن مجید کی ان آیات کو پیش کیا جن کے ظاہر سے انبیاء کی عصمت پر سوالیہ نشان لگتا ہے اور امامؑ نے ایک ایک کر کے سب کا جواب دیا۔

(ر۔ک۔ محمد بن علی صدوق، سابقہ حوالہ، ج ا ص ۱۷۰۔ ۱۷۳)

۲۔ امام رضاؑ نے امام کے تعارف میں مندرجہ ذیل اوصاف کو بیان فرمایا ہے:

امام ہر گناہ سے پاک ہوتا ہے اور تمام عیوب سے منزہ ہے: ''اَلْإِمَامُ الْمُطَهَّرُ مِنَ الذُّنُوبِ وَ الْمُبَرَّأُ عَنِ الْعُيُوبِ'' (محمد بن علی صدوق، ۔ سابقہ حوالہ، ج ا ص ۱۹۷)

وہ قداست، بندگی، زہد، علم و عبادت کا محور و مرکز ہے: ''مَعْدِنُ الْقُدْسِ وَ الطَّهَارَةِ وَ النُّسُكِ وَ الزَّهَادَةِ وَ الْعِلْمِ وَ الْعِبَادَةِ'' (سابقہ حوالہ، ص ۱۹۸)

امام معصوم، اللہ کی جانب سے تائید و توفیق یافتہ، ثابت قدم اور ہر طرح کی خطاؤں اور لغزشوں سے پاک و منزہ ہوتا ہے: ''فَهُوَ مَعْصُومٌ مُؤَيَّدٌ مُوَفَّقٌ مُسَدَّدٌ قَدْ أَمِنَ مِنَ الْخَطَايَا وَ الزَّلَلِ وَ الْعِثَارِ'' (سابقہ حوالہ، ص ۱۹۹)

## ۶۔ ۳۔ علم لدنی

قرآنی آیات و روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انبیاءؑ کے لئے علم لدنی کا حامل ہونا ضروری ہے اور پھر ان کا علم، میراث میں ائمہ معصومینؑ تک منتقل ہوتا ہے۔ خداوند متعال نے سورہ بقرہ کی ۳۱ ویں آیت میں جناب آدمؑ کو تمام اسماء کی تعلیم دینے کا تذکرہ کیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے: ''وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ'' اور خدا نے آدم علیہ السلام کو تمام اسماء کی تعلیم دی۔

آیت میں ''اسماء'' سے مراد مسمیات ہیں، یعنی خود موجودات اور چونکہ اسماء جمع کا صیغہ ہے نیز اس کے اوپر ''ال'' بھی لگا ہے، تو اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جناب آدم کو تمام چیزوں کی حقیقت کا علم تھا۔ (سید محمد حسین طباطبائی، سابقہ حوالہ، ج ا ص ۱۱۶۔ ۱۱۷)

اور یہ علم جناب آدم سے ہی مخصوص نہ تھا، بلکہ اللہ نے امانت و ودیعہ کے طور پر انسانوں کو یہ علم عطا کیا ہے، اس طرح کہ زمانہ کے گزرنے کے ساتھ ساتھ ہمیشہ انسان اس علم سے بہرہ مند ہو سکے

اور جب بھی انسان راہ راست پر پہنچ جائے تو اس الٰہی امانت کو قوت سے فعل کی جانب منتقل کر سکے۔
(سابقہ حوالہ، ص ۱۱۶)

لہذا وہ لوگ جو منصب نبوت کے لائق ہوں گے وہ اس علم سے بہرہ مند ہوں گے، جیسا کہ روایات سے یہ بات ثابت ہے کہ وہ علم جو حضرت آدمؑ کے ساتھ زمین پر آیا تھا وہ دوبارہ واپس نہیں گیا، بلکہ وہ علم اماموںؑ پاس آیا اور یکے بعد دیگر میراث کے طور پر ان کے درمیان منتقل ہو۔
(ر۔ک۔ محمد بن یعقوب کلینی، سابقہ حوالہ، ج ۱ ص ۲۲۱۔۲۴۲)

> شیعوں کی نظر میں امامت رسالت کا تداوم ہے لہذا وہ امام کے لئے عصمت کو ضروری مانتے ہیں۔ جبکہ اہل سنت کی نظر میں امامت کو یہ تقدس حاصل نہیں ہے، ان کی نظر میں امامت محض ایک ظاہری حکومت کی حیثیت رکھتی ہے۔

انبیاء اور ائمہؑ کے علم سے متعلق امام رضاؑ کی بعض روایات قابل ملاحظہ ہیں:

۱۔ امام رضاؑ فرماتے ہیں: بہ تحقیق اللہ انبیاء اور ائمہؑ کو کامیاب بناتا ہے اور انہیں اپنے اس علم وحکمت سے سرفراز کرتا ہے جو وہ کسی اور کو نہیں دیتا ہے۔ لہذا ان کا علم زمانہ کے تمام علوم سے برتر ہوتا ہے۔
(محمد بن علی صدوق، سابقہ حوالہ، ج ۱ ص ۱۹۹)

۲۔ امام رضاؑ نے اپنے باباؑ اور انہوں نے امام صادقؑ سے روایت کی ہے کہ: اللہ کا ایک علم وہ ہے جو خود اس کے پاس مخزون اور پوشیدہ ہے جو صرف وہ خود ہی جانتا ہے۔ ''بدا'' کا تعلق اسی علم سے ہے۔ اور ایک وہ علم ہے جس کو وہ اپنے فرشتوں اور نبیوں کو دیتا ہے۔ پیغمبروں کے اہل بیت میں سے علماء و دانشوروں کو بھی یہی علم دیا جاتا ہے۔ (سابقہ حوالہ، ۱۶۰)

۳۔ امام رضاؑ عبداللہ بن جندب سے خطاب کر کے فرماتے ہیں: امابعد، بہ تحقیق کہ محمدؐ بندوں کے درمیان اللہ کے امین ہیں اور ان کے بعد ہم اہل بیتؑ ان کے وارث اور زمین پر خدا کے امین

ہیں۔ بلاء، مصیبتیں، موت وحیات، عربوں کا سلسلہ نسب اور اسلام کے آغاز (وانجام) کا علم ہمارے پاس ہے۔ ہم ہر ایک کو اس کا چہرہ دیکھ کر پہچان لیتے ہیں کہ وہ سچا مومن ہے یا منافق ہے۔ ہمارے پاس ہمارے شیعوں کا نام ان کی ولدیت کے ساتھ موجود ہے، خدا نے ہم سے اور ان سے عہد لیا ہے۔ ہمارے شیعہ ہمارے سرچشمہ سے سیراب ہوئے ہیں۔ ہمارے اور ان کے علاوہ کوئی بھی اسلام پر باقی نہیں ہے۔ ہم پاک ونجات یافتہ ہیں اور ہم پیغمبروں کے وارث ہیں، اوصیاء کا سرمنشا ہم ہیں اور اللہ کی کتاب میں منتخب اور برگزیدہ بندے ہم ہی ہیں۔ کتاب خدا کی وراثت کے لئے سب بہتر ہم ہیں اور لوگوں میں سب سے زیادہ رسول خدا سے قریب ہم ہیں۔

(محمد بن یعقوب کلینی، سابقہ حوالہ، ج ۱ ص ۲۲۴)

۴۔ امام رضاؑ نے علم ودانائی کو امام کی علامتوں میں سے ایک بتایا ہے: ''دو چیزیں امامت پر دلیل ہیں: علم اور دعا کی قبولیت۔۔۔۔'' (محمد بن علی صدوق، سابقہ حوالہ، ج ۱ ص ۱۹۳)

۷۔ ۳۔ اطاعت کا وجوب

بے شمار دلائل سے یہ بات ثابت ہے کہ تمام لوگوں پر پیغمبروں کی اطاعت واجب ہے (مثال کے طور پر قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے: ''وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ'' (نساء: ۶۴)

اس آیت میں انبیاء کی بعثت کا ہدف ومقصد لوگوں کا ان کی اطاعت اور پیروی کرنا بیان ہوا ہے۔ اور اطاعت کے وجوب کو بیان کرنے کے لئے ''باذن اللہ'' کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

(مزید مطالعہ کے لئے، ر۔ک۔ سید محمد حسین طباطبائی، المیزان، ج ۴ ص ۴۰۴)

اور اماموں کی اطاعت بھی اسی طرح واجب ہے کسی کو بھی ان کی مخالفت کا اختیار وحق نہیں ہے۔

(مزید مطالعہ کے لئے ر۔ک۔ سابقہ حوالہ، ص ۳۸۷۔ ۴۱۴)

امام رضاؑ سے منقول روایات میں بھی اس حقیقت کا بیان پایا جاتا ہے۔ ذیل میں چند روایتیں قابل ملاحظہ ہیں:

۱۔ امام رضاؑ فرماتے ہیں: خداوند متعال نے اپنے نبی محمدؐ کو انبیاء وملائکہ سمیت تمام انسانوں پر برتری دی ہے، ان کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا ہے اور دنیا واخرت میں ان کی زیارت کو اپنی

زیارت شمار کیا ہے۔ چنانچہ اللہ فرماتا ہے: ''مَن یُطِعِ الرَّسولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّـهَ'' جو رسول کی اطاعت کرے گا اس نے اللہ کی اطاعت کی۔ (نساء:۸۰)

نیز ارشاد پروردگار ہے: ''إِنَّ الَّذِینَ یُبَایِعُونَكَ إِنَّمَا یُبَایِعُونَ اللَّـهَ یَدُ اللَّـهِ فَوْقَ أَیْدِیهِمْ'' بیشک جو لوگ آپ کی بیعت کرتے ہیں وہ درحقیقت اللہ کی بیعت کرتے ہیں اور ان کے ہاتھوں کے اوپر اللہ ہی کا ہاتھ ہے۔ (فتح:۱۰) (محمد بن علی صدوق، عیون اخبار الرضاؑ، ج۱ ص۱۱۵)

### ۴۔ نبی اور امام میں فرق

امام رضاؑ کی روایات کی روشنی میں نبی اور امام کے درمیان مشترک صفات کو ملاحظہ کرنے کے بعد یہ سوال سامنے آتا ہے کہ نبی اور امام کے درمیان کیا فرق ہے؟ حسن بن عباس معروفی نے امام رضاؑ سے سوال کیا کہ 'رسول'، 'نبی' اور 'امام' میں کیا فرق ہے؟ امامؑ نے اس طرح جواب دیا: رسول، نبی اور امام میں فرق یہ ہے کہ رسول پر جبرئیل نازل ہوتے ہیں اور وہ انہیں دیکھتا ہے اور ان کی بات سن سکتا ہے اور جبرئیل اس پر وحی نازل کرتے ہیں اور بسا اوقات وہ جبرئیل کو خواب میں بھی دیکھتا ہے، جیسا کہ جناب ابراہیمؑ نے خواب میں دیکھا تھا۔ نبی کبھی فرشتہ کی آواز سنتا ہے اور بسا اوقات اسے دیکھتا بھی ہے لیکن اس سے بات نہیں کرتا۔ البتہ امام وہ ہوتا ہے جو فرشتہ کی آواز تو سنتا ہے لیکن اسے دیکھ نہیں سکتا ہے۔ (سابقہ حوالہ، ص۱۷۶)

اس روایت میں صرف خدا سے رابطہ کے اعتبار سے اختلاف کو بیان کیا گیا ہے۔ اس اعتبار سے وہ روایات جن میں نبی اور امام کے درمیان دوسرے اور بھی فرق بیان کئے گئے ہیں، اس روایت سے کوئی تعارض نہیں رکھتی ہیں۔

### ۵۔ نبوت پر امامت کی برتری

نبی اور امام کے درمیان متعدد صفات میں اشتراک کے پیش نظر یہ سوال سامنے آتا ہے کہ ان دونوں میں برتر کون ہے؟ بعض روایات کے مطابق امام کی منزلت اور اس کا مقام نبی سے برتر ہے۔ امامت سے متعلق معروف حدیث میں امام رضاؑ فرماتے ہیں: بہ تحقیق اللہ نے جناب ابراہیم خلیل اللہؑ کو امامت کا عہدہ، نبوت اور خلت کے مقام کے بعد عطا کیا اور اللہ نے اس فضلیت سے انہیں نوازا نیز

اس کے ذریعہ انہیں عظمت ورفعت عطا کی۔ چنانچہ اللہ نے کہا: ''قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا'' اے ابراہیم میں آپ کو لوگوں کا امام بنا رہا ہوں۔ (بقرہ: ۱۲۴)

جناب ابراہیم نے سرور ومسرت کے ساتھ اللہ کی بارگاہ میں دست سوال بلند کیا: ''وَمِن ذُرِّيَّتِي'' پروردگارا، اس عہدہ کو میری ذریت میں بھی قرار دے''۔ اللہ نے جواب دیا: ''لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ'' یہ عہدۂ امامت ظالمین تک نہیں جائے گا۔ چنانچہ اس آیت نے یہ واضح کر دیا کہ قیامت تک منصب امامت کسی ظالم کو نہیں مل سکتا۔ (سابقہ حوالہ، ص ۱۹۶)

یہاں پر یہ وضاحت ضروری ہے کہ مضمون کے اس حصہ میں گفتگو امامت کے مقام ومنزلت کے حوالے سے ہو رہی ہے اور خود منصب امامت نبوت سے برتر ہے۔ لہذا امام، مقام امامت کے اعتبار سے نبی سے برتر ہے۔ البتہ اگر کوئی نبی ورسول، امام بھی ہو تو وہ اس اعتبار سے برتر ہوگا۔ چنانچہ بعض انبیاء، جن کے پاس نبوت کے علاوہ امامت بھی تھی، جیسا کہ روایت میں جناب ابراہیمؑ کے سلسلہ میں اشارہ ہوا ہے، وہ امامت کے اعتبار سے دوسرے نبیوں سے برتر ہوں گے۔

خلاصہ

ان تمام باتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ:

۱۔ پیغمبر وہ انسان کامل ہے جس پر اللہ اپنی وحی نازل کرتا ہے۔

۲۔ امام وہ ذات ہے جو تمام دینی اور دنیاوی امور میں (انسانی معاشرہ کی) ریاست وقیادت رکھتا ہے اور یہ ریاست وقیادت اسے رسولؐ کی جانشینی میں ملتی ہے۔

۳۔ پیغمبر کی طرح امام بھی ہر گناہ، خطا اور لغزشوں سے بری ومعصوم رہتا ہے۔

۴۔ پیغمبروں کی طرح اللہ امام کا بھی انتخاب کرتا ہے۔ امام کے انتخاب میں لوگوں کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔

۵۔ امام بھی نبی کی طرح علم لدنی کا مالک ہوتا ہے۔

۶۔ نبی کی طرح امام بھی حجت خدا ہوتا ہے اور خدا اس کے ذریعہ لوگوں پر اپنی حجت کو تمام کرتا ہے۔

۷۔امام کی الٰہی خلافت بھی نبی کی طرح ہوتی ہے اور وہ بھی زمین پر خدا کا جانشین ہوتا ہے۔

۸۔نبی کی طرح امام بھی مخلوق اور بندہ خدا ہوتا ہے، اس کی عبادت نہیں کی جاتی ہے۔

۹۔نبی ممکن ہے فرشتہ کو دیکھے بھی لیکن امام صرف اس کی آواز سنتا ہے لیکن اسے دیکھتا نہیں ہے۔

۱۰۔مقام امامت، نبوت سے (صرف عہدہ کے اعتبار سے) برتر ہے، یہی وجہ ہے کہ وہ انبیاء کہ جن کے پاس امامت کا عہدہ بھی تھا وہ، اس عہدہ کے اعتبار سے ان پیغمبروں سے برتر تھے، جن کے پاس یہ عہدہ نہیں تھا، جس طرح رسول خداؐ کو تمام انبیاء اور اماموں پر بھی برتری حاصل ہے۔

★★★★★


# ھدیٰ مشن

ممبرشپ فارم

مصباح الھدیٰ (اردو) -/200

مصباح الھدیٰ (ہندی) -/200

ماہنامہ طوبیٰ -/300

Name: Mr./Mrs./Miss

Father/Husband'sName:

Address:

City/Vill.: Post :

Distt.: State:

Pin: Mobile No:

Phone e-mail:

मौजूदा सब्सक्राइबर्स अपनी कस्टमर ID लिखें: Date ..... Signature.....

Huda Mission, Shifaat Market, Zahra Colony, Muftiganj, Lucknow-3

9415090034, 9451085885, 8726254727

رقم کے ہمراہ اس فارم کی کاپی روانہ فرمائیں

# حدیث غدیر اور نہج البلاغہ

تحریر: حجۃ الاسلام والمسلمین سید کاظم طباطبائی ترجمہ: عالیجناب مولانا مرزا عسکری حسین صاحب

حضرت امام علیؑ ابن ابی طالب کی امامت اور ولایت کے باب میں حدیث غدیر ایک بنیادی دلیل ہے۔ نہج البلاغہ میں بھی متعدد مقامات پر اہل بیتؑ کے مقام ومنزلت کا بیان آیا ہے۔ نہج البلاغہ میں متعدد مقامات پر دلیلوں کے ذریعہ یہ نمایاں کیا گیا ہے کہ اہل بیتؑ اور خاص کر حضرت علیؑ جانشینی رسولؐ کے لئے سب سے زیادہ حق دار ہیں۔ لیکن خود نہج البلاغہ میں حدیث غدیر کا کوئی واضح اور نمایاں ذکر نہیں ہے۔

یہ بات بعض لوگوں کے ذہنوں میں تشویش کا موضوع بن گئی کیونکہ خود امام علیؑ نے اس کتاب میں حدیث غدیر کے حوالے سے کوئی گفتگو نہیں کی۔ سردست مقالہ میں اسی موضوع کی تحقیق کی گئی ہے اور اس بات کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اگرچہ حضرت علیؑ نے حدیث غدیر سے کوئی نمایاں استدلال اس کتاب میں نہیں کیا ہے لیکن بارہا اپنی زندگی میں اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔

## حدیث غدیر اور اس کا صدور

امیر المومنین حضرت علیؑ کی ولایت و امامت کے سلسلہ میں شیعوں کی سب سے مستحکم دلیل حدیث غدیر ہے۔ شیخ مفید نے حدیث غدیر اور اس کے بیان کے وقت کے ماحول کو کچھ اس طرح پیش کیا ہے:

حج کے مناسک سے فراغت کے بعد آنحضرت (ص) نے قربانی میں حضرت علیؑ کو شریک بنایا اور پھر دیگر مسلمانوں کے ہمراہ مدینہ کے لئے روانہ ہو گئے۔ راہ میں غدیر خم کے بے آب وعلف بیابان

میں پہنچے تو لوگوں کو وہاں پڑاؤ ڈالنے کا حکم دیا۔ چنانچہ دیگر تمام مسلمانوں کے ہمراہ آپ (ص) وہاں اتر گئے۔ اس میدان میں اترنے کا سبب صرف یہ تھا کہ وہ آیت جو اللہ کی جانب سے آپ پر نازل ہوئی اللہ نے اس میں حضرت علیؑ کی جانشینی کے اعلان کا حکم دیا تھا، اسے لوگوں تک پہنچادیں اور حضرت علیؑ کو اپنا جانشین مقرر کردیں۔ اس سے قبل بھی اس سلسلہ میں رسول اکرمؐ پر وحی نازل ہوئی تھی لیکن فوری اعلان کا وقت مقرر نہیں کیا گیا تھا، لہذا آپؐ ایسے موقعہ کی تلاش میں تھے جس میں حضرت علیؑ لوگوں کے اختلاف وانتشار سے محفوظ رہ سکیں۔

خدا بھی یہ جانتا تھا کہ اگر یہ قافلہ غدیر خم سے آگے بڑھ گیا تو پھر بہت سے لوگوں تک یہ پیغام نہیں پہنچ پائے گا۔ لہذا خدا اتمام حجت اور ابلاغ پیغام کے لئے رسول اکرمؐ پر غدیر خم میں دوبارہ اس آیت کو نازل کیا:

"يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ وَإِن لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ" (مائدہ، ۶۷)

اللہ نے رسول خداؐ پر اس اعلان کو ضروری ٹھہرایا اور ساتھ میں ان کی حفاظت کی ذمہ داری کا بھی اعلان کیا۔ چنانچہ رسول خداؐ نے اللہ کے اس حکم کی تعمیل کے لئے اس مقام پر توقف کیا اور اس گرم اور جھلستے ہوئے صحرا میں مسلمانوں کو بھی قیام کرنے کا حکم دیا۔ پھر آپؐ نے حکم دیا کہ اس درخت کے سایہ کو پاک وصاف کیا جائے اور اونٹوں کے پالان کا منبر تیار کیا جائے۔ پھر اپنے موذن کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو آواز دیں اور یہاں اکٹھا کریں۔

گرمی کی شدت کے سبب لوگوں نے اپنے پیروں کے نیچے اپنی چادریں لپیٹ لی تھیں، موذن کی آواز سن رسولؐ کے گرد وپیش جمع ہونے لگے۔ جب لوگ اکٹھا ہوگئے تو آنحضرتؐ پالان شتر کے منبر پر سوار ہوئے اور حضرت علیؑ کو بھی منبر پر بلایا۔ حضرت علیؑ منبر پر سوار ہوئے اور آنحضرتؐ کے داہنی سمت کھڑے ہوگئے۔ آنحضرتؐ نے اللہ کی حمد وثنا کے ساتھ خطبہ میں لوگوں کو وعظ ونصیحت کی اور اپنے سانحہ ارتحال کی ناگوار خبر سے لوگوں کو آگاہ کرتے ہوئے فرمایا: بارگاہ خدا سے میرا بلاوا آچکا ہے، عنقریب میں تمہارے درمیان سے چلا جاؤں۔ لیکن میں تمہارے درمیان ایسی چیز چھوڑے جارہا ہوں کہ اگر تم اس

سے متمسک رہو تو ہرگز گمراہ نہیں ہو گے: اللہ کی کتاب اور میری عترت یعنی میرے اہل بیتؑ اور یہ دو ہرگز ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر میرے پاس پہنچ جائیں۔

پھر آپؐ نے بلند آواز سے فرمایا: کیا میں تمہاری نفسوں سے تم پر اولیٰ نہیں ہوں؟ لوگوں نے جواب دیا: بے شک یا رسول اللہ! پھر بلا فاصلہ حضرت علیؑ کو بازوؤں کی جانب سے پکڑ کر اتنا بلند کیا کہ آپؐ کی بغلوں کی سفیدی نمایاں ہونے لگیں اور پھر فرمایا: میں جس کا مولا ہوں اس کے علیؑ مولا ہیں۔ خدایا تو اسے دوست رکھ جو علیؑ کو دوست رکھے، اسے دشمن رکھ جو علی کو سے دشمنی رکھے، اس کی مدد کر جو علیؑ کی مدد کرے اور جو علیؑ کو رسوا کرنا چاہے تو اسے رسوا کر۔ زوال کا وقت نزدیک ہو چکا تھا، آپ منبرؐ سے نیچے آئے دو رکعت نماز ادا کی پھر موذن نے ظہر کی اذان دی اور آنحضرتؐ نے نماز جماعت پڑھائی اور اپنے خیمہ میں تشریف لے گئے اور حضرت علیؑ سے بھی کہا کہ وہ اپنے خیمہ میں تشریف لے جائیں۔

اس بعد مسلمانوں کو آپؐ نے حکم دیا کہ وہ گروہ در گروہ جا کر حضرت علیؑ کی خدمت میں ہدیہ تبریک پیش کریں اور امام و ولی مومنین کے عنوان سے انہیں سلام کریں۔ چنانچہ لوگوں نے یہی کیا۔ پھر آپؐ نے اپنی ازواج سے کہا کہ وہ بھی جا کر حضرت علیؑ کو امام و ولی کے عنوان سے سلام کریں، چنانچہ انہوں نے بھی جا کر حضرت علیؑ کی خدمت میں ہدیہ تبریک پیش کرتے ہوئے امام و ولی کے عنوان سے سلام کیا۔

ہدیہ تبریک و مبارکباد کے سلسلہ میں جناب عمر نے دوسروں پر سبقت لی اور دوسروں کے بسنبت زیادہ والہانہ الفاظ استعال کئے اور کہا: مبارک ہو مبارک ہو اے علی! آپ ہمارے اور تمام مومن مرد و زن کے مولا ہو گئے۔

مداح رسولؐ جناب حسان بن ثابت رسول خداؐ کی خدمت میں آئے اور کہا: اے اللہ کے رسول ص اگر آپ کی اجازت ہو تو میں اشعار کی شکل میں اس واقعہ کو نظم کر دوں؟

آنحضرتؐ نے فرمایا: اے حسان بسم اللہ شروع کرو۔

حسان نے ایک بلندی پر کھڑے ہو کر اشعار پڑھنا شروع کئے اور عالم یہ تھا کہ لوگ اپنی گردنیں انچیں کر کر کے سن رہے تھے۔ حسان نے یوں آغاز کیا:

ینادیھم یوم الغـــدیر نبیّھم      بخمٍ واسمع بالـــرسول منادیاً

فقال فمن مولاکم و نبیکم؟ فقالوا و لم یبدوا هناک التعامیا
إلهک مولانا و أنت نبیّنا و لم تلق منّا فی الولایة عاصیاً
فقال له قم یا علیّ فإنّنی رضیتک من بعدی إماماً و هادیاً
فمن کنتُ مولاه فهذا ولیّه فکونوا له اتباع صدق والیاً
هناک دعا اللّهم وال ولیّه و کن للذی عاد علیاً معادیاً

اشعار سن کر رسول خداؐ نے حسان بن ثابت سے کہا اے حسان تم جب تک اپنے کلام سے ہماری مدد کرتے رہو گے، روح القدس تمہارے نگہ بان رہیں گے۔

## حدیث غدیر کا تواتر

میں نے دیکھا کہ حجۃ الوداع سے واپسی کے وقت رسول خدا نے لوگوں کو بے آب و علف صحرا میں جمع کیا اور تپتے صحرا میں سب سے حضرت امیر المومنین ؑ کے لئے بیعت لی۔ ایسے ماحول میں حدیث غدیر کے نقل ہونے کے سبب مسلمانوں کی اکثریت نے اسے سن کر محفوظ بھی کر لیا اور یہ حدیث بعد کی نسلوں تک منتقل بھی ہوگئی۔ اور صاحب "الغدیر" کے مطابق تقریبا ۱۱۰ صحابہ اور ۸۴ تابعین نے تواتر کے ساتھ اس حدیث کو نقل کیا ہے۔

رسول خداؐ: میں جس کا مولا ہوں اس کے علیؑ مولا ہیں۔ خدایا تو اسے دوست رکھ جو علیؑ کو دوست رکھے، اسے دشمن رکھ جو علی کو سے دشمنی رکھے، اس کی مدد کر جو علیؑ کی مدد کرے اور جو علیؑ کو رسوا کرنا چاہے تو اسے رسوا کر۔

## مخالفین کے سامنے حضرت علیؑ ایک احتجاج

رسول خداؐ کی رحلت کے بعد جب جانشینی کا مسئلہ سقیفہ بنی ساعدہ میں انحراف کا شکار ہوا۔ حضرت علیؑ نے بارہا دوست و دشمن سب ہی کے سامنے اپنے حق خلافت کے غصب ہونے کا تذکرہ کیا اور بارہا دلیل و استدلال کے ذریعہ ثابت کیا کہ خلافت کے حقیقی اور واقعی حقدار وہی ہیں۔ ان دلیل و استدلالات کی کچھ نظیریں نہج البلاغہ میں بھی موجود ہیں۔ بطور مثال:

۱۔ نہج البلاغہ کے دوسرے خطبہ میں آل رسولؐ کے مقام و منزلت بیان کرتے ہوئے مولا

فرماتے ہیں:

اسرار نبوت ان کے پاس ہیں، جو ان کی بارگاہ میں پناہ لے گا، حق اس کی منزل ہوگی۔ وہ علم نبوت کا خزانہ اور احکام شریعت کو بیان کرنے والے ہیں۔ قرآن وسنت ان کی آغوش میں محفوظ ہیں، بلند پہاڑوں کے مانند وہ دین کے نگہ بان ہیں، اسلام انہیں کے ذریعہ محفوظ ہوا ہے۔

پھر مزید فرماتے ہیں:

اس امت میں آل محمدؐ کا نہ تو کوئی ہمسر ہے اور نہ ہی ان کی قدر ومنزلت کی کوئی برابری کرسکتا ہے۔ وہ دین کا ستون اور یقین کی بنیادیں ہیں۔ حدوں سے آگے بڑھنے کی نجات ان کی بارگاہ میں لوٹ کر آنے میں ہے اور حدوں سے پیچھے رہنے والوں کے لئے ان سے ملحق ہونا ضروری ہے۔ ولایت صرف ان کا حق ہے اور نبوت کی میراث انہیں کے پاس ہے۔

۲۔ اپنے معروف خطبہ ''شقشقیہ'' میں نہ صرف خلافت اور رسولؐ کی جانشینی کے سلسلہ میں ہونے والے اختلاف کو آپؑ نے بیان کیا بلکہ ماسبق خلفاء کی بدرفتاریاں اور ناگفتہ بہ حالات واثرات پر نکتہ چینی بھی کی۔ نیز اس بات کو واضح کیا کہ مسلمانوں کی زعامت وقیادت کے لئے تنہا لائق اور شائستہ ذات انؑ کی تھی۔ اس خطبہ میں آپ ع نے بالکل صریح الفاظ میں کہا کہ خلافت میری میراث ہے'' اری تراثی نھبا'' اور اپنی نگاہوں کے سامنے میں نے اپنی میراث کو لٹتا دیکھتا۔

۳۔ نہج البلاغہ کے چوتھے خطبہ کے آغاز میں بھی آپ نے اہل بیتؑ کے مقام ومنزلت کو بیان کیا نیز یہ واضح کیا کہ لوگوں کی ہدایت وارشاد میں ان کا کیا کردار ہے۔ چنانچہ آپؑ فرماتے ہیں:

''ہماری ہدایت وراہنمائی نے تمہیں ظلمتوں سے نجات اور پستی سے برتری عطا کی ہمارے ہی سبب تم تاریکیوں کے اندھیروں سے باہر نکلے ہو''۔

نہج البلاغہ کے چھٹے خطبہ میں اپنے پامال شدہ حق کا تذکرہ کرتے ہوئے آپؑ فرماتے ہیں:

خدا کی قسم رحلت رسولؐ سے لیکر آج تک انہوں نے مجھے میرے حق سے محروم رکھا اور مجھ سے کمتر کو مجھ پر برتری دی ہے۔

۵۔ چھبیسویں خطبہ میں بھی خطبہ شقشقیہ ہی جیسے لحن کے ساتھ آپؑ نے کچھ تلخیوں کی طرف اشارہ

کرتے ہوے آپؑ فرماتے ہیں:

''ناچار و مجبور ہوکر میں نے خار چشم کو برداشت کیا، دل کی گہرائیوں میں میرا دم گھٹتا رہا اور میں نے اپنے حق سے چشم پوشی کی اور صبر کا جام تلخ پیتا رہا۔

۶۔ ستاونویں خطبہ میں اپنے بعد رونما ہونے والے ممکنہ حوادث و واقعات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آپؑ نے اسلام و ایمان اور ہجرت میں تمام مسلمانوں پر اپنی سبقت کو بیان کیا۔

۷۔ حضرت علیؑ کو جب سقیفہ کی خبر ملی تو آپؑ نے پوچھا: انصار کا کیا کہنا تھا؟

کہا گیا: ایک امام ہمارا اور ایک امام آپ (مہاجرین) کا۔

آپؑ نے فرمایا: ان کے سامنے یہ کیوں کسی نے نہیں کہا کہ ارشاد رسولؐ ہے کہ انصار کے نیک کردار افراد کے ساتھ نیکی اور ان کے گناہ گاروں سے درگزر کرو۔

لوگوں نے پوچھا، اس میں (ان کے خلاف) کیا دلیل ہے؟

آپؑ نے فرمایا: اگر وہ امامت کے حقدار ہوتے، تو ان کے لئے ایسے الفاظ درست نہیں ہیں۔

پھر آپؑ نے پوچھا کہ قریش نے کیا کہا؟

کہا گیا: قریش اس بات کے دعوے دار تھے کہ وہ شجر نبوت ہیں۔

آپؑ نے فرمایا: انہوں نے شجر نبوت ہونے کا دعوا کیا اور خلافت کے حقدار بن گئے، جبکہ ہم، اس شجر کا پھل اور خاندان رسولؐ سے ہیں ہمیں محروم کر دیا۔

۸۔ جب لوگوں نے عثمان کے ہاتوں بیعت کرنی چاہی تو آپؑ نے فرمایا:

''تم خوب جانتے ہو کہ اس خلافت کا حقدار میں ہوں، لیکن خدا کی قسم جب تک اسلام محفوظ ہے اور میرے سوا کسی اور کا حق پامال نہیں کیا جا رہا ہے میں صبر کروں گا۔ میں خود پر اس ستم کو سہہ رہا ہوں کیوں کہ اس صبر کے اجر و پاداش کا مجھے علم ہے۔ جس مال و زر کے سبب تم لوگوں نے حرص و طمع کیا ہے، میں ہرگز اپنی نگاہوں کو اس سے آلودہ نہیں کروں گا''۔

۹۔ نہج البلاغہ کے ۹۳ ویں خطبہ میں بنی امیہ اور دیگر فتنوں کا تذکرہ کرتے ہوئے آپؑ فرماتے ہیں: ''ہم اہل بیتؑ کو اس فتنہ (بنی امیہ) سے کوئی سروکار نہیں ہے اور نہ ہی لوگوں کو ہم

اس کی طرف بلائیں گے۔

۱۰۔ ۹۴ویں خطبہ میں انبیاءؑ کی فضیلت بیان کرنے کے بعد پیغمبر ختمی مرتبتؐ کے فضائل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ان کے فرزند سب سے برتر، ان کا خاندان سب سے بافضیلت اور ان کی آل سب سے بہتر ہے۔ ان کی پرورش آغوش مکہ میں ہوئی، عظمتوں کہ گہوارہ میں تربیت پائی، ان کی شاخوں اور فروعات کی حدیں آسمانوں سے ملتی ہیں، ان کے فضائل وکمالات کے ثمرہ تک کسی کو رسائی نہیں ہے''۔

۱۱۔ ۸۷ویں خطبہ میں لوگوں کو آل رسول ص کی طرف دعوت دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

''تم کس گمراہی کی طرف جا رہے ہو؟ اور کب اس انحراف کی منزل سے واپس آؤ گے؟ (ہدایت کی) علامتیں نمایاں، دلیلیں آشکار ہیں اور نشانیاں پایدار ہیں۔ کب تک گمراہی کے راستوں پر رہو گے؟ کب تک سرکشی کا شکار رہو گے؟ آل رسول تمہارے درمیان موجود ہیں اور وہی امامت و قیادت کے حقدار ہیں۔۔۔ کتاب خدا کی طرح ان کی بھی حرمت کا لحاظ کرو اور صحرا میں چشمہ آب کی طرف لپکتے پیاسے اونٹوں کی طرح ان کی بارگاہ میں لوٹ آؤ''۔

۱۲۔ ۹۷ویں خطبہ میں اہل بیتؑ کی پیروی کی دعوت دیتے ہوئے آپؑ فرماتے ہیں:

''(اے لوگوں) اپنے پیغمبرؐ کی آل کو دیکھو اور ان کی راہ کو اختیار کرو اور ایسے لوگوں کے ساتھ رہو جو ہرگز تمہیں راہ راست سے گمراہ ہونے نہیں دیں گے اور نہ ہی تمہاری ہلاکت کا سبب ہوں گے۔ اگر انہوں نے توقف کیا تو تم بھی توقف کرو اور اگر انہوں نے کسی راہ میں قدم اٹھایا تو تم بھی ان کے ہمراہ ہو جاؤ۔ نہ ان سے آگے بڑھ جاؤ کہ اس میں تمہاری گمراہی ہے اور نہ ہی ان سے پیچھے رہ جاؤ کہ اس میں تمہاری تباہی ہے''۔

۱۳۔ ۱۰۰ویں خطبہ میں پیغمبر اکرمؐ کے جانشین اور معنوی میراث کے حقداروں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''آل رسولؐ کی مثال آسمان کے ستاروں کی ہے، اگر ایک ختم ہوا تو دوسرا ستارہ نمایاں ہو جاتا ہے۔ گویا اللہ نے تمہیں اپنے بے کراں فضل واحسان سے نوازا ہے اور تمہاری امید اور آرزو سے زیادہ

تمہیں نوازا ہے''۔

۱۴۔ ۱۰۹ ویں خطبہ میں رسول خداؐ کے اخلاق و اوصاف کو بیان کرتے ہوئے اہل بیتؑ، ان کے دوستوں اور دشمنوں کے سلسلہ میں فرماتے ہیں:

''ہم شجرہ نبوت، محور رسالت اور رفرشتوں کی آمد و رفت کا مرکز، معدن علم اور حکمت کے چشمے ہیں۔ ہمارے دوست اللہ کی رحمت کے حقدار اور اللہ کا قہر و غضب ہمارے دشمنوں سے مخصوص''۔

۱۵۔ ایک دوسرے مقام پر اہل بیتؑ کے مقام و منزلت کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

''اللہ کی حکمت کے دروازے ہم اہل بیتؑ کے پاس ہیں اور دین کے چراغ کو ہم سے روشنی ملتی ہے۔۔۔۔''

حضرت علی علیہ السلام نے نہج البلاغہ میں متعدد مقامات پر اہل بیتؑ کے مقام و منزلت کو واضح کیا ہے نیز یہ بھی ثابت کیا کہ خلافت و ولایت کے سب سے زیادہ حقدار اہل بیتؑ، خاص کر خود حضرت امیرؑ ہیں۔

۱۶۔ اس سلسلہ میں ایک اور مقام پر آپؑ یوں فرماتے ہیں:

'' ہدایت کا راستہ ہم سے ملتا ہے، دلوں کی تاریکیاں ہم سے دور ہوتی ہیں، (امت کے) امام و راہبر صرف قریش میں خاندان بنی ہاشم سے ہیں، دوسرا کوئی بھی اس کا حقدار نہیں ہے۔ امامت کا تاج صرف بنی ہاشم سے مخصوص ہے''۔

۱۷۔ اس سلسلہ میں ایک اور مقام پر آپؑ نے یوں فرماتے ہیں:

''ہم حامی و مددگار، خاصان اور معدن نبوت اور رسالت کے دروازے ہیں۔ ہم رسالت کا وہ باب ہیں، جن کے بغیر بیت رسالت میں کوئی داخل ہی نہیں ہوسکتا اور در کو چھوڑ کر دوسرے راستوں سے گھر میں داخل ہونے والا چور کہلاتا ہے۔ ہم قرآنی آیات کے مصداق اور اللہ کی رحمت کا خزانہ ہیں۔ ہمارے کلام میں صرف صداقت ہوتی ہے اور ہماری خاموشی ہرگز ہماری عاجزی کا سبب نہیں ہے''۔

۱۸۔ ایک روز آپؑ کے کسی چاہنے والے نے آپؑ سے پوچھا: کس طرح لوگوں نے آپؑ کو

آپؑ کے حق سے محروم کر دیا، جب کہ آپؑ ہی اس کے حقدار تھے؟ امامؑ نے فرمایا:

''۔۔۔انہوں نے خلافت میں خودسری کی جبکہ ہمارا نسب بھی برتر ہے اور ہم رسولؐ کے قرابت دار بھی ہیں، لیکن انہوں اس کی پرواہ نہ کی (اور ہمیں محروم کیا)۔ خلافت کے سلسلہ میں کچھ لوگوں نے بخل و کنجوسی (یعنی حقدار کو بھی حق نہ پہنچنے دیا) اور کچھ دوسروں نے سخاوت و فراغ دلی (اپنی میراث سمجھ کر لوگوں میں تقسیم کرتے ہے) سے کام لیا۔ ہمارا داور اللہ ہے اور ہمارے حق کا فیصلہ اب اسی کے دربار میں ہوگا۔۔۔''

۱۹۔ ایک دن سعد ابن ابی وقاص یا ابوعبیدہ جراح نے امام علیؑ سے کہا: اے ابوطالب کے بیٹے، آپؑ کے دل میں خلافت کی لالچ بہت زیادہ ہے۔

حضرت علیؑ نے جواب میں فرمایا: ایسا ہرگز نہیں ہے، بلکہ ہم سے زیادہ تو تم لوگوں کے دلوں میں اس کی لالچ ہے، جبکہ میں اس کا حقدار اور اس کا زیادہ مستحق ہوں۔ میں نے صرف اپنے حق کا مطالبہ کیا ہے اور تم لوگوں نے مجھے میرے حق سے محروم کیا۔ (پھر مولا نے ایک بند پڑھتے ہوئے کہا: اور جب مجمع عام میں، اسے مغلوب کیا، وہ خاموش رہا اور کچھ کہہ نہ سکا۔ بارالہ تیری بارگاہ میں شکوہ ہے کہ قریش اور ان کے حامیوں نے رسولؐ سے ہماری قرابت کا پاس ولحاظ نہ کیا اور میرے حق کو مجھ سے چھینا اور مجھ سے ہی مقابلہ کیا''۔

۲۰۔ نہج البلاغہ کے ۱۹۰ ویں خطبہ میں لوگوں کو وعظ و نصیحت کے دوران اللہ کی معرفت رسولؐ و آل رسولؐ کے حقوق کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اپنی جگہ ثابت قدمی کے ساتھ بلاؤں میں صبر کرو۔۔۔ کیونکہ جو کوئی بھی اللہ، اس کے رسولؐ و آل رسولؐ کے حق کی پاسبانی کے عالم میں اس دنیا سے جائے، تو بستر پر بھی اس کی موت شہید کی ہوگی اور بارگاہ خدا میں اس کا اجر مخصوص ہوگا۔۔۔''

۲۱۔ خطبہ قاصعہ میں اپنے فضائل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''رسول خداؐ سے میری نسبت و قرابت، تم سب کو معلوم ہے۔۔۔ میں اس طرح رسولؐ کے ساتھ رہتا تھا، جیسے اونٹنی کا بچہ اپنی ماں کے پیچھے رہا کرتا ہے۔ وہ ہر روز اپنے اخلاق کا ایک باب

میرے لئے نمایاں کرتے اور مجھے اس کی پیروی کا حکم دیتے تھے۔ سال میں ایک بار غار حراء میں وہ خدا سے راز و نیاز کے لئے خلوت گزینی کیا کرتے تھے اور میرے سوا دوسرا کوئی بھی ان کے ساتھ نہیں ہوتا تھا، اور وہ وقت کہ جب رسول خداؐ اور بی بی خدیجہ کے سوا دوسرا کوئی مسلمان نہ تھا تو میں ان کے درمیان تیسرا تھا۔ نور وحی و رسالت کو میں دیکھ رہا تھا اور بوے نبوت کو محسوس کر رہا تھا۔ رسول خداؐ پر جب پہلی بار وحی نازل ہوئی تو میں نے (کراہت سے بھری) شیطان کی چیخ کو بھی سنا ہے۔ میں نے سوال کیا: اے اللہ کے نبیؐ یہ آواز کس چیز کی ہے؟ آپؐ نے فرمایا: یہ شیطان کی چیخ ہے وہ لوگوں کے درمیان اپنی خدائی منوانے میں ناکام ہوگیا۔ (اے علیؑ) میں جو سن رہا ہوں وہ آپؑ بھی سن رہے ہیں میں جو دیکھ رہا ہوں وہ آپ بھی دیکھ رہے ہیں، ہاں آپؑ پیغمبر تو نہیں لیکن میرے وزیر اور صراط مستقیم پر ہیں"۔

۲۲۔ ایک دوسرے خطبہ میں آل محمدؐ کے مناقب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وہ علم کو حیات دینے اور جہل کا خاتمہ کرنے والے ہیں، ان کا حلم و بردباری ان کے علم کی گہرائی کی دلیل ہے، ان کا ظاہر ان کے باطن کی خبر دے گا، ان کی خاموشی ان کی حکمت کا راز ہے۔ وہ نہ کبھی حق کے مقابل میں آتے ہیں اور نہ ہی کبھی حق میں اختلاف کرتے ہیں"۔

یہ تمام مثالیں اس بات کی دلیل ہیں کہ حضرت علیؑ نے نہج البلاغہ میں متعدد مقامات پر اہل بیتؑ کے مقام و منزلت کو واضح کیا ہے نیز یہ بھی ثابت کیا کہ خلافت و ولایت کے سب سے زیادہ حقدار اہل بیتؑ خاص کر خود حضرت امیرؑ ہیں۔

حضرت امیرؑ خاص کر اور بطور عموم تمام اہل بیتؑ ولایت و خلافت کے زیادہ حقدار ہیں، یہ حقیقت بھی تین بنیادی اصولوں سے ثابت ہوتی ہے:

پہلی اصل: رسول خدا کی وصیت اور نص۔

جیسا کہ نہج البلاغہ کے دوسرے خطبہ میں صراحت و وضاحت کے ساتھ اس بات کو بیان کیا ہے:

"وفیھم الوصیہ والوراثۃ" وصیت اور وراثت انہیں کے لئے ہے۔

دوسری اصل: حضرت علیؑ کے ذاتی صفات و کمالات۔

تیسری اصل: رسول اکرم ص سے نسبی اور معنوی قرابت۔

گرچہ "فیھم الوصیۃ و الوراثۃ" کا مفہوم حدیث غدیر کے مفہوم سے مشابہ ہے۔لیکن صریح اور واضح طور پر خود حدیث غدیر سے نہج البلاغہ میں استدلال موجود نہیں ہے۔اسی وجہ سے بعض لوگوں کے ذہنوں میں یہ سوال آیا کہ کیوں مولا نے اس حدیث سے استدلال نہیں کیا؟

میرے خیال میں اگر کوئی نہج البلاغہ میں سید رضی کے مقدمہ کا مطالعہ کرے تو اسے اس سوال کا جواب مل جائے گا۔اپنی بات کو مزید واضح کرنے کے لئے سید رضی کے مقدمہ کی چند مثالیں ذیل میں قابل ملاحظہ ہیں:

" کچھ احباب و رفقاء نے یہ خواہش ظاہر کی کہ ایک ایسی کتاب کی تالیف کروں جس میں حضرت امیر المومنینؑ کے اقوال و کلمات کی جمع آوری ہو۔مختلف علوم و فنون پر مشتمل کلام کا ایک ایسا مجموعہ جس میں آداب و نصیحتیں، خطوط اور چھوٹے اور بڑے خطبات موجود ہوں نیز فصاحت و بلاغت کا شاہ کار و مایہ امتیاز ہو"۔احباب کی درخواست کو میں نے قبول کیا اور تالیف کا کام شروع کر دیا، کیونکہ مجھے یہ یقین تھا کہ یہ ایک سودمند اور نہایت بافائدہ کاوش ہوگی نیز محشر کے لئے ایک بہترین زاد و توشہ ہوگا۔چنانچہ میں نے اس بات کی مکمل کوشش کی کہ یہ ثابت کردوں کہ علیؑ اس میدان میں بھی شہنا شہ سوار ہیں اور دیگر تمام لوگوں سے ممتاز و برتر ہیں۔

چنانچہ امامؑ کے گفتار و کلمات کے مطالعہ کے بعد یہ اندازہ ہوا کہ آپؑ کی گفتار تین حصوں پر مشتمل ہے: احکام و خطبات، مختلف لوگوں کے لئے خطوط اور حکمت آمیز نصیحتیں۔بتوفیق خدا میں کام شروع کیا اور سب سے پہلے برگزیدہ بلاغت آمیز خطبات کی جمع آوری کری، اس کے بعد دل پذیر خطوط اور پھر آخر میں حکیمانہ کلمات کو مرتب کیا۔اور یہ اللہ کا لطف خاص تھا کہ پہلی ہی تالیف میں ایسا برگزیدہ اور چنندہ کلمات یکجا جمع ہو گئے اور پھر زمانہ گزرتا گیا اور مزید ملحقات کا اضافہ ہوتا گیا۔

البتہ یہ انتخاب و تالیف میں غفلتیں ہوسکتی ہیں لیکن کہیں بھی خطاؤں میں قصد شامل نہیں تھا نیز اگر کوئی حصہ رہ گیا ہو تو اس میں فراموشی تھی کوئی عمدا ارادہ نہیں تھا۔اور میں ہرگز یہ دعوا نہیں کرتا کہ حضرت علیؑ کے تمام کلمات و اقوال کو اس کتاب میں نقل کر دیا ہے اور اب آپؑ کا کوئی قول و سخن باقی نہیں

ہے۔ بلکہ یہ ممکن ہے جو اقوال اس کتاب میں نقل نہیں ہوئے ہیں، ان کی تعداد اس مجموعہ سے کہیں زیادہ ہو۔ البتہ اس خیال سے کہ اللہ راہ گشا اور منزل تک پہنچانے والا ہے میں نے اپنی تمام کوششیں کی اور تا حد امکان اپنی سعی و تلاش کی''۔

لہذا خود نہج البلاغہ کے مولف کے مطابق ان بے شمار کلمات کے باوجود بھی میں اس میں امامؑ کے تمام اقوال درج نہیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اب تک اس کتاب پر متعدد مستدرکات اور مکملات کی تالیف ہو چکی ہے۔ دوسری بات یہ کہ نہج البلاغہ کی تالیف حدیث کی کتابوں کے نظم و نسق پر نہیں ہوئی ہے، لہذا ہم اس کتاب سے یہ توقع نہیں رکھ سکتے کہ اس میں تمام معتبر احادیث کو چند ابواب کی شکل میں نقل کیا گیا ہو۔ بلکہ خود اس کتاب کے نام سے بھی نمایاں ہے کہ اس کتاب کو ایک خاص ادبی اور بلاغتی رجحان کے ساتھ تالیف کیا ہے، تا کہ خود مولف کے بقول یہ کتاب عربی فصاحت و بلاغت کی ایک مثال ہو۔ تیسری بات یہ ہے کہ اس دور میں خلافت کے اکثر دعویداروں نے رسولؐ کی قرابت و آنحضرتؐ سے رشتہ داری کو اپنے لئے دلیل قرار دیا تھا، لہذا امام علیؑ نے بھی اسی رشتہ داری اور قرابت داری کو دلیل و استدلال کا محور بنایا۔

> نہج البلاغہ میں حدیث غدیر سے استدلال نہ ہونے کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ حضرت علیؑ نے اپنے حق کے اثبات کے لئے حدیث غدیر سے استدلال ہی نہیں کیا ہے۔ بلکہ بارہا اپنے مخالفوں سے اس حدیث سے استدلال و احتجاج کیا ہے۔

### حدیث غدیر سے حضرت امیر مومنینؑ کا احتجاج

ان تمام باتوں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ واضح اور نمایاں الفاظ میں نہج البلاغہ میں حدیث غدیر سے استدلال نہ ہونے کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ حضرت علیؑ نے اپنے حق کے اثبات کے لئے حدیث غدیر سے استدلال ہی نہیں کیا ہے۔ جبکہ تاریخ و حدیث کی کتابوں کے مطالعہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ امامؑ نے بارہا اپنے مخالفوں سے اس حدیث سے استدلال و احتجاج کیا ہے اور بسا

اوقات تو ان لوگوں کے درمیان بھی آپؐ نے اس حدیث بطور دلیل پیش کیا جو حجۃ الوداع میں وقت اعلان موجود نہیں تھے اور واقعہ غدیر کو انہوں نے نزدیک سے نہیں دیکھا اور اپنے اس عمل پر واقعہ کے دوران موجود لوگوں کو بطور گواہ بھی پیش کیا۔ ذیل میں اس سلسلہ کی چند مثالیں قابل ملاحظہ ہیں:

۱۔ ۲۳ ویں ہجری میں (حضرت عثمان کے انتخاب کے لئے) شورا میں جب جناب عمر خلیفہ کے انتخاب کے لئے چھ لوگوں کی شورا بنائی تو ابوالطفیل عامر بن واثلہ کے بقول جو وہاں دروازہ پر کھڑے یہ مناظر دیکھ رہے تھے کہ حضرت علیؑ نے ایک ایک کر کے اپنے تمام فضائل و مناقب کا وہاں موجود افراد سے اعتراف لیا، چنانچہ آپؑ کے احتجاج کی مثال یہ ہے کہ آپؑ نے وہاں موجود لوگوں سے کہا: خدا کی قسم ہے تمہیں، یہ بتاؤ کہ کیا تمہارے درمیان میرے علاوہ کوئی اور ایسا ہے، جس کے بارہ میں رسول خداؐ نے فرمایا ہو کہ: "من کنت مولاہ فعلی مولاہ، اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ و انصر من نصرہ، لیبلغ الشاھد الغائب"؟

وہاں موجود لوگوں نے مل کر کہا: نہیں (آپ کے سوا ایسا کوئی بھی نہیں ہے)۔

۲۔ حضرت علیؑ کو جب یہ خبر ملی کہ کچھ لوگ ابھی اس بات کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں کہ رسول خداؐ نے آپؑ کو دوسروں پر مقدم کیا اور فوقیت دی ہے تو آپؑ کوفہ میں "رحبہ" نامی ایک جگہ پر تشریف لے گئے اور جواب میں مخالفوں کو قسم دلائی اور کہا کہ تم میں سے جس نے بھی غدیر خم میں رسولؐ کی حدیث سنی ہے وہ اپنی جگہ سے کھڑا ہو جائے۔ یہ سن کر بروایتے اس مجمع سے بارہ (۱۲) تیرہ (۱۳) تیس (۳۰)، دس (۱۰) اور بروایتے دیگر سترہ (۱۷) صحابہ نے کھڑے ہو کر گواہی دی کہ یہ ارشاد رسولؐ ہے۔

۳۔ حاکم نیشاپوری رفاعہ بن ایاس ضبی، اس کے والد، اس کے جد (نذیر جو بزرگ تابعین میں سے تھے) روایت کی ہے کہ جنگ جمل میں حضرت علی ع کے ساتھ۔ امام علی ع نے طلحہ کو پیغام بھیج کر بلوایا۔ جب طلحہ امام ع کی خدمت میں آئے تو امام ع نے کہا: تمہیں خدا کی قسم ہے بتاؤ کیا تمنے رسول خداص سے نہیں سنا ہے: "من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ۔ اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ"؟

طلحہ نے کہا: ہاں بالکل میں نے سنا ہے۔

امامؑ بولے: پھر کیوں مجھ سے جنگ کر رہے ہو؟

طلحہ کہتے ہیں: میں بھول گیا تھا۔ راوی کہتا ہے کہ اس گفتگو کے بعد طلحہ جنگ سے منصرف ہو گئے تھے۔

۴۔ اسی طرح ۳۷ ویں ہجری میں جنگ صفین کے میدان میں حضرت علیؑ منبر پر گئے اور لوگوں کو خدا دے کر اپنے بے بدیل و بے مثل فضائل و مناقب منجملہ حدیث غدیر کا اعتراف لیا۔

اسی طرح شیخ طوسی امام علی رضاؑ سے روایت کرتے ہیں: امام رضاؑ اپنے کچھ خواص کے درمیان حدیث غدیر کی فضیلت بیان فرما رہے تھے۔ آپؑ نے اپنے اجدادؑ سے روایت کی حضرت علیؑ کی زندگی میں ایک سال عید غدیر جمعہ کے دن پڑی، حضرت علیؑ نے دن چڑھنے کے بعد منبر پر جا کر اللہ کی حمد و ثنا کی اور پھر وہاں موجود لوگوں کو ایک دوسرے سے مصافحہ کرنے اور ایک دوسرے کو تبریک و تہنیت دینے کو کہا۔

ان دن کی فضیلت کو حاضرین غائبین پہنچا دیں۔ آج کے دن مالدار تنگدستوں اور طاقتور، کمزوری کی دستگیری کریں۔ رسول خداؐ نے مجھے ان کاموں کی ہدایت دی ہے۔ پھر آپؑ نے خطبہ جمعہ دیا اور نماز جمعہ سے فارغ ہونے کے بعد اپنے چاہنے والوں اور بیٹوں کے ساتھ امام حسنؑ کے بیت الشرف پر طعام و ضیافت کے لئے تشریف لے گئے۔

### خلاصہ کلام

خلاصہ کلام یہ ہے کہ نہج البلاغہ میں حدیث غدیر سے صریح اور واضح استدلال کا نہ ہونا ہرگز اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ حضرت علیؑ نے (اپنی زندگی میں) اس حدیث سے استدلال و احتجاج نہیں کیا ہے، یا پھر سید شریف رضی کو اس کے اعتبار و صداقت پر شک و تردد تھا۔ چنانچہ اس کتاب میں اس حدیث کا نہ ہونا اس کے تواتر اور قطعی الصدور ہونے میں کوئی شبہہ اور رخنہ اندازی نہیں کرتا، کیونکہ یہ حدیث صرف شیعہ مآخذ ہی میں نہیں بلکہ متفق علیہ کتب حدیث، رجال اور اہل سنت کی کتب تاریخ میں بھی منقول ہے۔ بس فرق یہ ہے کہ (اہل سنت نے) لفظ ''مولیٰ'' سے جو مفہوم حاصل کیا ہے وہ شیعوں کی تعریف سے مختلف ہے۔

★★★★★

# غیر متوقع کامیابی

آیۃ اللہ جعفر سبحانی

کائنات کا نظام، علّت اور معلول کے قانون پر برقرار ہے۔ ایک معمولی سی حرکت بھی بے علّت اور بغیر کسی سبب کے نہیں ہے۔

سمندروں کا تلاطم۔۔۔۔۔۔۔ پتّوں کا درختوں سے گرنا۔۔۔۔۔۔۔۔ برفباری، برسات۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ہاتھ کی لکیروں کا مختلف ہونا۔۔۔۔۔۔۔۔۔ لوگوں کی شکل وصورت میں فرق ہونا۔۔۔۔۔۔۔ قوموں کی ترقی اور زوال ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ معاشروں کی خوبیاں اور خامیاں، غرض دنیا کی ہر چیز کے لیے کسی نہ کسی علّت اور سبب کا موجود ہونا یقینی ہے۔ کبھی وہ سبب ہمارے لیے واضح ہوتا ہے اور کبھی ہم سے پوشیدہ ہوتا ہے۔

اس لحاظ سے ''چانس'' کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ دنیا کے عمومی فلسفہ سے اس کے وجود کو ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ چانس پر اعتماد کرنا درحقیقت محض ایک خیالی اور حقیقت سے دور چیز پر اعتماد کرنا ہے۔ نادان اور ناواقف افراد، خوش قسمتی یا بدقسمتی کو اسی بے ہودہ اور خیالی چیز سے وابستہ سمجھتے ہیں۔

''قسمت''، ''اتفاق''، ''چانس'' اور ''اقبال'' درحقیقت خیالی باتیں ہیں۔ یہ باتیں ایسے ہی لوگوں کے ذہن میں آتی ہیں جو مختلف باتوں کے اسباب سے واقف نہیں ہو پاتے۔ اس لیے وہ اپنے ملامت کرنے والے ضمیر کو راضی کرنے کے لیے نادیدہ اور بے ہودہ اسباب کے قائل ہوجاتے ہیں۔

اگر ہمیں ''چانس'' پر اعتقاد رکھنا ہی ٹھہرا تو ہمیں یہ کہنا چاہیے کہ کام، کوشش، جہد وجہد اور سرگرمی

ہی چانس اور خوش قسمتی کی بنیاد فراہم کرتے ہیں۔ اور یہ نادیدہ سبب (چانس) سرگرمی اور کوشش میں پوشیدہ ہوتا ہے۔

سستی اور کاہلی کے لیے اور ذہن اور ذہنیت کو خراب کرنے کے لیے قسمت پر اعتقاد ایک وسیلہ ہے۔ ہارنے والوں کے نفس کی تسکین کے لیے یہ ایک خواب آور دوا ہے۔

دوسرے الفاظ میں قسمت پر اعتقاد، گنہگاروں اور خطا کاروں کے ضمیر کو ڈھانپ دینے کے لیے ایک سرپوش ہے۔

اولمپک کے مقابلوں میں جو کھلاڑی ہار جاتا ہے اور کامیابی کا افتخار اور میڈل اس کے حریف کو مل جاتا ہے تو بگڑے ہوئے چہرے اور پسینے میں تر پیشانی کے ساتھ گراؤنڈ سے باہر آتا ہے اور اپنی کھوئی ہوئی حیثیت کی تلافی کے لیے اپنے دوستوں سے کہتا ہے کہ: ''میرے حریف کی قسمت اچھی تھی جبھی اسے کامیابی نصیب ہوئی اور میری قسمت اس دفعہ اچھی نہیں تھی جبھی میں ہار گیا۔''

افسوس کی بات یہ ہے کہ آئندہ مقابلوں میں شکست سے بچنے کے لیے وہ اپنی شکست کے حقیقی سبب کو دریافت نہیں کرتا بلکہ ایسے خیالی سبب کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہے جس کا علم اور فلسفہ کی رو سے کوئی وجود نہیں ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ اس طریقے سے خود کو شکست کا ذمہ دار نہ ٹھہرائے۔

اصل بات یہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں ایک غلط رواج عام ہے اور وہ یہ کہ ہم گھریلو زندگی میں اور تعلیمی اور کاروباری سلسلے میں قسمت کو زندگی کی بنیاد قرار دے دیتے ہیں۔ ماں باپ، اساتذہ اور تاجر حضرات ایسے حالات پیدا کر دیتے ہیں کہ لوگ خود بخود کامیابی اور شکست کا سبب چانس اور قسمت کو قرار دیتے ہیں بچپن، جوانی اور بڑھاپے میں اس غلط رواج کے بُرے اثرات ہمیشہ کے لیے ذہنوں میں گھر کر لیتے ہیں۔

ہماری عظیم آسمانی کتاب ''قرآن مجید'' میں موجود ایک چھوٹی سی لیکن مفہوم کے اعتبار سے بہت بڑی آیت نے ایسی خیالی باتوں پر خطِ تنسیخ پھیر دیا ہے۔ اور وہ آیت یہ ہے کہ:

''وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی'' (انسان کو وہی ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے)

لاٹری، جوئے اور طرح طرح کی قسمت آزمائی کی چیزوں کی سب سے بڑی خرابی یہی ہے کہ وہ

ہمارے معاشرے کے جوانوں کو خیالی باتوں کا معتقد بنا دیتی ہیں اور اس طرح کام اور کوشش کرنے کا جذبہ ان میں کم ہوجاتا ہے جوان اپنی ذہنی اور جسمانی صلاحیتوں کو استعمال کرنے کے بجائے مقام، شخصیت اور دولت حاصل کرنے کے لیے قسمت جیسی خیالی باتوں کے پیچھے جانے لگتے ہیں۔

کامیاب خواتین وحضرات وہی ہیں جن کی زندگی کی لغت میں قسمت، فال، ستارہ، ہاتھ کی لکیر اور چانس جیسے الفاظ نہیں پائے جاتے کیونکہ یہ چیزیں لوہے کی ایسی زنجیریں ہیں جو انسان کے ہاتھ پاؤں کو باندھ کر رکھ دیتی ہیں۔

جو جوان ترقی اور کمال حاصل کرنا چاہتا ہے، اپنی صلاحیتوں کو استعمال کرنا چاہتا ہے اس کو جان لینا چاہیے کہ کسی طالب علم، موجد، فوجی افسر یا سیاستدان کی کامیابی کی اصل وجہ یہی ہوتی ہے کہ اس نے زندگی کی حقیقت کو محسوس کرلیا ہے اور کامیابی کے اصل اسباب کو اپنایا ہے جس میں سرِفہرست ''کام''۔۔۔''کوشش''''ثابت قدمی۔۔۔اور''نظم وضبط'' ہیں۔اس کو یہ جان لینا چاہیے کہ کوئی ستارہ ،جادو یا چانس کامیابی کا سبب نہیں ہوا کرتا۔

ہمارے ایک دوست حال ہی میں مغربی جرمنی سے لوٹے ہیں۔ وہ جرمن قوم کی ترقی کے بارے میں کہتے ہیں:

''اس قوم نے مختصر سے عرصہ میں چند چیزوں کو یادگار کے طور پر باقی رکھنے کے علاوہ جنگ کے بقیہ تمام آثار مٹا دیے۔اب یہ ملک گویا وہ ملک نہیں رہا جس میں کئی سال پہلے اتحادیوں کے بم تباہی مچایا کرتے تھے۔''

اس قوم کی زندہ روح اور توانا ذہنیت ہی کامیابی کا سبب بنی۔ وہ لوگ چانس اور قسمت پر تکیہ نہیں کرتے تھے بلکہ اپنی ذہنی اور جسمانی صلاحیتوں پر بھروسہ کرتے تھے، وہ جانتے تھے کہ اگر قسمت کا کوئی وجود ہے تو وہ ذہنی اور جسمانی صلاحیتوں کے اندر پوشیدہ ہے۔

### قسمت، فال، ستارہ وغیرہ

ایک تباہ حال تاجر اپنی حالت کی بہتری کے خواب دیکھ کر خوش ہولیتا ہے ایک شکست کھائی ہوئی قوم، فال اور ہاتھ کی لکیریں دیکھ کر اپنی فتح کو یقینی سمجھنے لگتی ہے۔ بیمار عورتیں ماہر ڈاکٹر سے رجوع

کرنے کے بجائے جادوٹونے کے چکر میں پڑ جاتی ہیں۔

توہم پرست اور نادان والدین اپنی اولاد کے ذہنوں کو مہمل اور بیہودہ باتوں سے بھر دیتے ہیں۔شادی کے بعد آنے والی بدھ کو اور عید نوروز کے تیرہ دن بعد کی جانے والی رسموں کو کامیابی کا زینہ سمجھتے ہیں۔نوروز کے بعد تیرھویں دن وہ اپنی اولاد کو جنگل میں لے جاتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں کہ وہ لمبی گھاس میں گرہیں لگائیں تا کہ ان کی حاجتیں پوری ہوں اور ان کی روٹھی ہوئی قسمت لوٹ کر آجائے۔

والدین اپنی اولاد سے کہتے ہیں کہ اگر سات قسم کے کھانوں سے سجے ہوئے دسترخوان پر بیٹھو گے اور ایک لال بیگ اپنے ہاتھ میں پکڑ لو گے تو یقیناً دولتمند بن جاؤ گے۔

ہمارے عظیم پیغمبرؐ نے اپنی زندگی کے ہر دور میں اس قسم کی تمام خرافات کی سخت مخالفت کی ہے۔

ایک دن آپؐ کی دائی نے اپنے بیٹوں کے ساتھ آپؐ کو سیر کے لیے جنگل کی طرف روانہ کیا اور آپ کی حفاظت کے لیے ایک سبز یمنی پتھر کو دھاگے سے باندھا اور آپؐ کی گردن میں لٹکا دیا۔آپؐ نے اپنی دائی کے سامنے ہی پتھر کو اپنی گردن سے نکالا اور فرمایا: ''ماں! یہ کیا وہمی باتیں ہیں، میری حفاظت کرنے والا کوئی اور (خدا) ہے۔''

کبھی ایک ڈرائیور، گاڑی کے بریک اور ٹائر وغیرہ کا خیال رکھنے کے بجائے اور ناکارہ چیزوں کو نئی چیزوں سے بدلنے کے بجائے توہمات کی پناہ لیتا ہے۔گھوڑے کی ایک نعل گاڑی کے پیچھے ٹھونک لیتا ہے کہ شاید یہ نعل گاڑی کو محفوظ رکھے۔

ایک مسلّح ڈاکو کو دس سال قید کی سزا ہو جاتی ہے۔جب وہ جیل کے اندر قدم رکھتا ہے تو جیل کی دیواروں کو اس قسم کے اشعار سے سیاہ کرتا ہے۔

کوکبِ بخت مرا ہیچ منجّم نشناخت
یارب از مادر گیتی بہ چہ طالع زادم

(میری قسمت کے ستارے کو کسی نجومی نے نہیں پہچانا۔یارب! میں دنیا میں کیا قسمت لے کر پیدا ہوا ہوں؟)

وہ اتنا غافل اور خود اپنے الفاظ میں ''بدقسمت'' ہے کہ اب جبکہ جیل کی کال کوٹھری کی اذیتیں

سہہ رہا ہے تو بھی حقیقت کو صحیح طور پر سمجھنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ وہ اپنے ملامت کرنے والے ضمیر کو مطمئن کرنے کے لیے اپنا گناہ ستاروں اور قسمت کی گردن پر ڈالتا ہے۔ وہ خود سے یہ نہیں کہتا کہ میں نے اپنے اختیار سے اسلحہ استعمال کیا اور ملک کی امنیت کو خطرے میں ڈال دیا۔ کاروباری مراکز اور دکانیں میری وجہ سے بند ہوگئیں، میری سزا یہی ہے۔

اے کاش کہ وہ اس شعر کی بجائے ناصر خسرو کے یہ اشعار دیوار پر لکھتا:

نکوہش مکن چرخ نیلوفری را — برون کن ز سر باد و خیرہ سری را
چو تو خود کنی اختر خویش را بد — مدار از فلک چشم نیک اختری را
بسوزند چوب درختان بی بر — سزا خود ہمیں است مر بی بری را
درخت تو گر بار دانش بگیرد — بزیر آوری چرخ نیلوفری را

(نیلے آسمان کو بُرا بھلا نہ کہہ۔ اپنے سر سے لاپرواہی کی ہوا نکال دے، اگر تو خود اپنی قسمت کو بُرا بنا لے تو آسمان سے اُمید نہ رکھ کہ وہ تجھے خوش قسمت بنا دے گا۔ بغیر پتوں والے درختوں کی لکڑی جلا دی جاتی ہے زندگی کے درخت کی دیکھ بھال نہ کرنے کی یہی سزا ہے۔ اگر تیری زندگی کے درخت پر علم وفکر کے پھل لگیں تو ایسا درخت آسمان کو بھی نیچے اتار سکتا ہے۔)

کامیاب شخص وہی ہے جو بلند مقاصد کی راہ میں قدم آگے بڑھائے اور ہر قسم کے توہمات اور بے بنیاد خیالوں سے پرہیز کرے۔

کامیاب خواتین و حضرات وہی ہیں جن کی زندگی کی لغت میں قسمت، فال، ستارہ، ہاتھ کی لکیر اور چانس جیسے الفاظ نہیں پائے جاتے، کیونکہ یہ چیزیں لوہے کی ایسی زنجیریں ہیں جو انسان کے ہاتھ پاؤں کو باندھ کر رکھ دیتی ہیں۔

پیغمبر اکرمؐ خاص طور پر کوشش کرتے تھے کہ لوگوں کو توہمات کی قید سے رہائی دلوائیں۔ اگر کوئی بے بنیاد خیال آپ کے حق میں بھی جاتا تو بھی آپ لوگوں کو بتاتے کہ: ''ایسا عقیدہ بے بنیاد ہے۔''

مثلاً پیغمبر اکرمؐ کے بیٹے ''ابراہیم'' کا انتقال ہوگیا۔ اس دن سورج کو گرہن لگ گیا۔ اس زمانے کے وہمی لوگ حضورؐ کی خدمت میں پہنچے اور کہنے لگے کہ:

''آپؐ پر جو آج مصیبت آئی وہ اتنی بڑی ہے کہ سورج بھی اس کا غم منا رہا ہے۔ آج آپؐ کے بیٹے کی وفات پر اسے گرہن لگا ہوا ہے۔''

آپؐ نے جواب میں یہ تاریخی جملہ ارشاد فرمایا:

''لوگو! چاند سورج کسی کے مرنے کا غم نہیں مناتے بلکہ چاند گرہن اور سورج گرہن خدا کی نشانیوں میں سے ہیں۔'' (گرہن کی ایک خاص وجہ ہے اسے میرے بیٹے کی وفات سے منسوب نہیں کرنا چاہیئے۔)

## توہمات پرست مغرب زدہ لوگ

بعض مغرب زدہ لوگ اتنے توہم پرست ہوتے ہیں کہ ''۱۳'' نمبر کے کمرے سے ڈرتے ہیں۔ اس لیے ہوٹل والے تیرہ نمبر کے کمرے پر ''۱۔ ۱۲'' لکھتے ہیں یا اسے چودہ نمبر کا کمرہ بنا دیتے ہیں۔ اور تیرہ کو بالکل حذف کر دیتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اقوام متحدہ کی عمارت میں لفٹ بارہویں فلور کے بعد چودہویں فلور پر پہنچتی ہے تیرھواں فلور بالکل نہیں ہے۔ درحقیقت تیرھواں فلور وہی ہے جسے چودھواں فلور کہا جاتا ہے۔

یہ لوگ یہ غور نہیں کرتے یا غور کرنا ہی نہیں چاہتے کہ اگر تیرھواں فلور خطرناک اور منحوس ہے تو نام بدلنے سے اس کی حقیقت تو نہیں بدل جاتی۔

شیخ سعدی اپنے اشعار میں ایک قصہ پیش کرتے ہیں کہ:

یکی روستائی سقط شد خرش — علم کرو برتاک بستان سرش
جہاں دیدہ پیری براو برگذشت — ہمی گفت خنداں بہ ناطور دشت
مپندار جان پدر، کین حمار — کند دفع چشم بداز کشتزار
کہ این دفع چوب از سر و گوش خویش — نتانست تا بینوا مر دریش!
کنون دفع چشم بداز کشتزار — چگونہ تواند، توقع مدار!

(ایک دیہاتی کا گدھا مر گیا۔ اس نے گدھے کا سر کاٹ کر انگور کی بیل پر لٹکا دیا۔ ایک جہاندیدہ بزرگ وہاں سے گزرے تو انھوں نے ہنستے ہوئے اس دیہاتی باغبان سے کہا کہ ''اے میری جان! تو یہ نہ سمجھ کہ گدھا باغ کو نظر بد لگنے سے بچائے گا۔ یہ گدھا اپنی زندگی میں ایک کمزور شخص کے ہاتھ سے سر پر پڑنے والی لاٹھی کو نہیں روک سکتا تھا تو اب مرنے کے بعد باغ کو بُری نظر سے کس طرح بچا سکے گا۔ تو اس کی توقع نہ رکھ!)

اسی قماش کا ایک شخص قسمت کا اتنا معتقد تھا کہ وہ کہتا تھا کہ:

''میں بُری قسمت لے کر دنیا میں آیا ہوں میری قسمت اتنی بُری ہے کہ اگر میں ٹوپیاں سینے والا ہوتا تو لوگ دنیا میں بغیر سر کے پیدا ہونے لگتے۔''

اس قسم کی وہمی باتیں اگر کسی قوم کے اندر اور خصوصاً اس کے جوانوں میں رائج ہو جائیں تو اسے قوم کے زوال کا ایک سبب سمجھنا چاہیئے۔

## آسمان کی شکایت!

بعض لوگوں کا معمول ہے کہ وہ آسمان سے شاکی رہتے ہیں اور بعض بُرے حالات کی ذمہ داری آسمان کی گردن پر لاد دیتے ہیں۔ حتیٰ بعض دانشوروں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ اپنی کتابوں کے دیباچوں میں آسمان کے ستم پر فریاد کرتے ہیں۔

لیکن اگر ہم حقیقتاً جائزہ لیں تو آسمان تو انسان کا خدمت گزار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے انسان کے لیے بنایا ہے اور اس کے قبضے میں دے دیا ہے۔ مثلاً: سورج اپنی سنہری شعاعوں کے ذریعے جانوروں کی پرورش کرتا ہے، چاند فضا کو نور اور تازگی بخشتا ہے۔ اس بنا پر انسان کے خدمت گزاروں کو ظالم اور ستمگر نہیں کہنا چاہیئے چاند، سورج، ستاروں اور آسمان میں نحوست نہیں ہوتی اور اس کی دلیل یہ ہے کہ خداوند کریم نے قرآن مجید میں ان چیزوں کی قسم کھائی ہے اور ہمیں ان چیزوں کی عظمت کی طرف متوجہ کیا ہے۔

اس نکتہ پر توجہ دینی چاہیئے کہ اگر دانشوروں اور ادیبوں نے آسمان کا گلہ کیا بھی ہے تو اس سے مراد یقیناً آسمان کے نیچے رہنے والے افراد ہیں۔ ورنہ ستاروں اور آسمان و زمین کا کوئی قصور نہیں ہوتا۔

★★★★★

# دعائے عرفہ کا تعارف

تحریر: حضرت آیۃ اللہ العظمی مکارم شیرازی ترجمہ: عالیجناب سید حسین حیدر زیدی

نو ذی الحجہ کا دن، روز عرفہ سے مشہور ہے جس میں امام حسین علیہ السلام کی دعاؤں، زیارات اور خاص طور پر دعائے عرفہ کی یاد تازہ ہوجاتی ہے، اس دعا میں اسلام اور شیعیت کی معنوی تعلیمات کا ٹھاٹیں مارتا ہوا سمندر موجود ہے۔ دعائے عرفہ کو حضور قلب اور اس کے مفاہیم کو درک کرتے ہوئے پڑھنا چاہئے اور اس کے بلند و بالا مضامین اور معانی میں غور وفکر کرنا چاہئے اور اس دن کے فیوضات سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔

## روز عرفہ کی شان ومنزلت

پہلے مرحلہ میں روز عرفہ کی حقیقت کو بیان کرنا ضروری ہے، بعض روایات میں روز عرفہ کو عید کہا گیا ہے، اگر چہ اس دن حضرت مسلم بن عقیل کی شہادت بھی واقع ہوئی ہے، لیکن عرفہ کا دن ایسا ہے جس میں ایک آنکھ سے گریہ اور دوسری آنکھ سے خوشی کے آنسوؤں کو نکلنا چاہئے۔

کیونکہ اس دن خداوند عالم نے اپنے بندوں کو عبادت اور اطاعت کی دعوت دی ہے اور اپنے احسان وکرم کا دستر خوان اپنے بندوں کے لئے بچھایا ہے، اس دن شیطان ذلیل وخوار اور وحشت زدہ رہتا ہے۔ اس دن کی دعاؤں، احادیث اور روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ خداوند عالم عرفہ کے دن اپنے بندوں پر ایک خاص نظر ڈالتا ہے۔

## دعائے عرفہ کی اہمیت

اسلامی تعلیمات میں دعائے عرفہ کی قرائت کو بہت زیادہ اہمیت دی گئی ہے، عرفہ اور عرفات کی اہمیت کے متعلق جو روایات نقل ہوئی ہیں وہ بہت عجیب ہیں اور ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عجیب سرزمین پر اللہ کی رحمت بہت زیادہ نازل ہوتی ہے اور انسانوں کے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔

## دعائے عرفہ، حقانیت اہل بیتؑ کی نشانی

حقانیت ائمہ علیہم السلام کی ایک دلیل اسی طرح کی دعائیں ہیں (جیسے دعائے صباح، دعائے کمیل، صحیفہ سجادیہ کی دعائیں اور امام حسین علیہ السلام کی دعائے عرفہ)۔ اور دوسرے مذاہب میں ایسی دعائیں نہیں پائی جاتیں۔ کیونکہ عرفات کے بیابان میں امام حسین علیہ السلام کا خداوند عالم سے رازونیاز کرنا، مقدس عشق کی گرانقدر دلیل ہے۔

یقیناً دعاء انسان کو خداوند عالم سے نزدیک اور شیطان سے دور کر دیتی ہے، انسان کی روح کو ایک خاص لطافت بخشتی ہے، ایمان کی بنیادوں کو قوی کرنے، تہذیب نفس اور پرورش اخلاق میں بہت زیادہ موثر ہے۔ (پیام امام امیر المومنین علیہ السلام، جلد ۴، صفحہ ۵۸۱)

اس طرح کی دعائیں، معصومین علیہم السلام کی بلند روح سے وجود میں آئی ہیں لہذا یہ سب دعائیں بہت ہی بلند و بالا ہیں اور علم و آگاہی کے ساتھ ان کی قرائت انسان کو کرامت اور معرفت سے نزدیک کر دیتی ہے۔ (پیام امام امیر المومنین علیہ السلام، جلد ۸، صفحہ ۴۶۴)

## دعائے عرفہ، توحید اور خدا پرستی کا درس دیتی ہے

معصومین علیہم السلام کی دعائیں تربیت اور اخلاق کے درس سے سرشار ہیں، مثلاً دعائے عرفہ میں عقاید اور توحید کا کامل درس ہے، جو توحید اس دعاء میں نظر آتی ہے وہ اور دوسری دعائیں میں نہیں ملتی۔ (والاترین بندگان، صفحہ ۲۳۲)

## دعائے عرفہ، خداشناسی کا کامل مجموعہ

دعائے عرفہ، عرفان اسلامی، خداشناسی، پیامبر شناسی، ولایت اور اخلاق کا ایک کامل مجموعہ ہے، بلکہ یہ کہا جائے کہ اسلامی اہم مفاہیم اس کے اندر سما گئے ہیں جو دعا کے قالب میں بیان ہوئے ہیں۔

دعائے عرفہ میں جو کہ امام حسین علیہ السلام سے ہم تک پہنچی ہے، خدا شناسی کے تمام مراحل بیان ہوئے ہیں، سید الشہداء امام حسین علیہ السلام نے مشہور دعائے عرفہ میں خداوند عالم کی نعمتوں اور قدرت کو شمار کرتے ہوئے اس کی خدمت میں اس طرح عرض کیا: "وابتدعت خلقی من منی یمنی، ثم اسکنتنی فی ظلمات ثلاث: بین لحم و جلد و دم، لم تشھر بخلقی، و لم تجعل الی شیئا من امری، ثم اخرجتنی الی الدنیا تاما سویا"! میری خلقت کا آغاز منی کے ناچیز قطرات سے کیا، پھر مجھے گوشت، پوست اور جمے ہوئے خون کی تین تاریکیوں میں رکھا، میری خلقت کو آشکار نہیں کیا اور اسی مخفی گاہ میں میری خلقت کو جاری رکھا اور میری زندگی کے کسی بھی امر کو میرے حوالہ نہیں کیا، پھر مجھے صحیح و سالم دنیا میں منتقل کر دیا۔ (دعای عرفہ۔ مصباح الزائر ابن طاووس)

## معرفت الٰہی کی بنیادی کنجی تضرع زاری

ان دنوں درگاہ الٰہی میں تضرع و زاری کے ساتھ عبادت کرنا چاہئے، دعا، عبادت اور تضرع زاری کے لئے بہترین ایام، روز عرفہ ہے۔

یہاں پر کہنا چاہئے: اے انسان خداوند عالم کی خلقت کے سامنے تیرا تکبر کیا ہے؟ واقعا کتنے تعجب کی بات ہے کہ وہ انسان جس کا آغاز نطفہ اور جس کا اختتام مردار ہے، پھر بھی تکبر اور فخر و مباہات کرتا ہے۔ (وہ ذرہ جس کا حساب نہیں کیا جا سکتا وہ ہم ہیں)، ہمیں اس بات کا اقرار کر لینا چاہئے کہ معرفت کو امام حسین علیہ اسلام سے سیکھنا چاہئے، امام حسین علیہ السلام میں اشک بہاتے ہوئے کہتے ہیں: "الھی انا فقیر فی غنای فکیف لا اکون فقیرا فی فقری الھی انا الجاھل فی علمی فکیف لا اکون جھولا فی جھلی"۔

خدایا! میں بے نیازی کے وقت بھی فقیر ہوں، پھر اپنے فقر میں کس طرح فقیر نہیں ہوں، خدایا! میں عالم ہوتے ہوئے بھی جاہل ہوں، پھر جہالت کے وقت کیسے جاہل نہیں ہوں۔

"الھی من کانت محاسنه مساوی فکیف لا تکون مساویه مساوی"۔ خدایا! جس کی اچھائی بھی برائی ہے پھر اس کی برائیاں کس طرح بری نہیں ہیں۔ (مفاتیح الجنان و دعای عرفہ)

بیماری تکبر جو کہ جہالت اور معرفت نہ ہونے کی وجہ سے ہوتی ہے، کا علاج خالق اور دنیا کی

معرفت حاصل کرنے سے ہوسکتا ہے، اس معرفت کا تواضع کے ساتھ مستقیم رابطہ ہے اور مستقیم تواضع کا رابطہ علم اور معرفت سے ہوتا ہے، امام حسین علیہ السلام فرماتے ہیں: "مدارک العلم لقاح المعرفة" درس اور علم، معرفت سے وجود میں آتا ہے۔ (اخلاق اسلامی در نہج البلاغہ، (خطبہ متقین)، جلد ۱، صفحہ ۱۵۲)

## شکرگزاری، دعائے عرفہ کی اہم خصوصیت

امام حسین علیہ السلام کی دعائے عرفہ کے ایک حصہ میں بیان ہوا ہے: اگر میں تیری شکرگزاری کا ارادہ رکھتے ہوئے سعی وکوشش کروں اور تمام زمانوں میں زندہ رہوں پھر بھی تیری ایک نعمت کا شکر ادا نہیں کرسکتا۔ (مفاتیح الجنان، اعمال ماہ ذی الحجہ)

## روز عرفہ، روز مشہود

سورہ بروج کی تیسری آیت "و شاھد و مشھود" کی تفسیر میں "شاھد" سے مراد عید قربان اور "مشھود" سے مراد روز عرفہ ہے کیونکہ اس دن بیت اللہ الحرام کے زائرین تمام چیزوں کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ (برگزیدہ تفسیر نمونہ، جلد ۵، صفحہ ۴۵۵)

اس وجہ سے روز عرفہ کی اہمیت اور اس میں غور وفکر کرنا اس قدر ضروری ہے کہ اگر چہ روز عرفہ، روز محشر کے گواہوں اور انسانوں کے اعمال کا سبب ہے، لیکن اس دن کا اجتماع، دنیا میں محشر کے میدان سے کم شمار نہیں ہوتا۔ (تفسیر نمونہ، جلد ۲۶، صفحہ ۳۳۲)

## دعائے عرفہ یعنی خدا کی موجودگی کا اعتراف

لہذا ان تفاسیر کو مدنظر رکھتے ہوئے کہنا چاہئے کہ دعائے عرفہ میں امام حسین علیہ السلام کے قیمتی کلام کی ایک نشانی خدا کی موجودگی ہے۔ امام حسین علیہ السلام دعائے عرفہ میں خدا کے سامنے عرض کرتے ہیں: "عمیت عین لا تراک علیھا رقیبا" اندھی ہوجائیں وہ آنکھیں جو تجھے اپنا محافظ نہ پائیں! (پیام قرآن، جلد ۴، صفحہ ۲۷۶)

## برہان غنیٰ وفقر، دعائے عرفہ کی بنیادی علامت

یقیناً انسانوں کو چاہئے کہ وہ اپنے دن کا آغاز نور ہدایت سے کریں، پھر بہت ہی ہوشیاری سے اس کو دشمنوں کے مقابلہ میں اختتام تک پہنچائیں اور یہ کامیابی، نور ہدایت کے بغیر ممکن نہیں ہے! ہم

دعائے عرفہ میں پڑھتے ہیں: "واجعل غنای فی نفسی" خدایا! میری جان کے اندر مجھے بے نیاز بنا دے!، اس جملہ سے ہم الہام حاصل کرتے ہیں کہ بے نیازی ایسی چیز نہیں ہے جو خارج میں مال و ثروت جمع کرنے اور بلند و بالا محل بنانے سے حاصل ہوتی ہو۔

(پیام امام امیر المومنین علیہ السلام، جلد ۳، صفحہ ۲۶۵)

امام حسین علیہ السلام کی اس دعاء میں ایک جگہ توحید کے متعلق اس طرح بیان ہوا ہے: "کیف یستدل علیک بما ھو فی وجودہ مفتقر الیک؟ ایکون لغیرک من الظھور ما لیس لک حتی یکون ھو المظھر لک" جو موجودات اپنے وجود میں تیری پاک ذات کے محتاج ہیں، ان سے کس طرح استدلال کیا جاسکتا ہے؟ کیا تیرے علاوہ دوسری چیز تجھ سے زیادہ ظاہر ہے جو تیرے وجود کے لئے معرّف ہو؟

(پیام قرآن، جلد ۳، صفحہ ۶۵)

روز عرفہ، خداوند عالم نے اپنے بندوں کو عبادت اور اطاعت کی دعوت دی ہے اور اپنے احسان و کرم کا دسترخوان اپنے بندوں کے لئے بچھایا ہے، اس دن شیطان ذلیل و خوار اور وحشت زدہ رہتا ہے۔

دعائے عرفہ میں دوسری جگہ ملتا ہے: "الھی انا الفقیر فی غنای فکیف لا اکون فقیرا فی فقری" خدایا! میں بے نیاز ہونے کے باوجود فقیر ہوں، پھر کس طرح فقیری کی حالت میں فقیر نہیں ہوں؟! (سابقہ حوالہ)

اسی دعاء میں ذکر ہوا ہے: "متی غبت حتی تحتاج الی دلیل یدل علیک و متی بعدت حتی تکون الآثار ھی التی توصل الیک، عمیت عین لا تراک علیھا رقیبا" تو کب پوشیدہ تھا جو دلیل کی ضرورت ہو جس کے ذریعہ تجھے پہچنوایا جائے؟ اور کب ہم سے دور ہوا ہے تا کہ تیرے آثار ہم تک پہنچ جائیں؟ اندھی ہو جائیں وہ آنکھیں جو تجھے اپنے نزدیک اور محافظ نہ دیکھیں۔ (پیام قرآن، جلد ۳، صفحہ ۱۰۱)

دعائے عرفہ میں توجہ کریں اور دیکھیں کہ اس کے جملے کتنے عجیب ہیں، انسان جس وقت روز

عاشورا کی جاں نثاری کو دیکھتا ہے تو تعجب کرتا ہے، لیکن جس وقت دعائے عرفہ کو پڑھتا ہے تو سمجھ جاتا ہے کہ اس معرفت کی وجہ سے یہ جاں نثاری ہے، کیونکہ اعمال، اعتقاد اور معرفت کا نتیجہ ہوتے ہیں، امام علیہ السلام دعائے عرفہ میں عرض کرتے ہیں: "الھی من لاتکون مساویہ مساوی و من کانت حقائقہ دعاوی فکیف لاتکون دعاویہ دعاوی" خدایا! یہ انسان جس کی نیکیوں کو اگر دیکھا جائے اور انہیں کھولا جائے تو حقیقت میں عیب اور نقص ہے، پھر اس کے عیب کس طرح عیب نہیں ہیں؟! اگر اس انسان کے حقایق اور علوم کو آشکار کیا جائے تو اس میں جہالت ہی جہالت ہے، پھر اس کی جہالت کو جہالت کیوں نہیں کہہ سکتے؟ ہماری طاقت کو دیکھا جائے تو پوری کی پوری کمزوری ہے۔

(انوار ہدایت، مجموعہ مباحث اخلاقی، صفحہ ۳۱۰)

حضرت امام حسین علیہ السلام نے دعائے عرفہ میں عرض کیا: اے میرے خدا!، لوگ ان آثار کی طرف آتے ہیں تا کہ تجھے پہچان لیں، لیکن کیا تو مجھ سے دور ہو گیا ہے جو میں آثار کے ذریعہ سے تجھے تلاش کر رہا ہوں: "عمیت عین لاتراک و لاتزال علیھا رقیبا و خسرت صفقۃ عبد لم تجعل لہ من حبک نصیبا" اندھی ہو جائیں وہ آنکھیں جو تیرے پاک و پاکیزہ جمال کو نہ دیکھیں اور نقصان اٹھائے گا وہ بندہ جس کے دل میں تیری محبت اور عشق نہیں ہوگا۔ تو مجھ سے کب دور ہوا ہے جو میں تجھے تلاش کروں۔

کی رفتہ ای زدل کہ تمنا کنم تورا — کہ بودہ ای نھفتہ کہ پیدا کنم تورا
باصد ہزار جلوہ برون آمدی کہ من — باصد ہزار دیدہ تماشا کنم تورا

اگر ہم خدا، دنیا اور اپنے آپ کو پہچان لیں تو تکبر اور غرور ختم ہو جائے گا اور بندہ، بندہ ہو جائے گا، لہذا خدا کی عظمت کو عالم ہستی سے پہنچاننا چاہئے۔ (سابقہ حوالہ)

## آخری بات

دعائے عرفہ کو حضور قلب اور اس کے مفاہیم کو درک کرتے ہوئے پڑھنا چاہئے اور اس کے بلند و بالا مضامین اور معانی میں غور و فکر کرنا چاہئے اور اس دن کے فیوضات سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔

عرفہ، دعاء اور عبادت کا دن ہے اور اس دن تمام مسلمان اور مومن پوری دنیا کے مسلمانوں کی

مشکلات کودور کرنے کیلئے دعاء کریں، مجھے امید ہے کہ ہم سب دعائے عرفہ کے اجتماع میں شریک ہوں گےاورایک دوسرے کے لئے دعاء کریں گے۔

لیکن اس دن کی دعاء کی اہمیت بہت زیادہ ہےاور یہ دعا ضرور قبول ہوتی ہے۔خداوند عالم اس دعااوراس دن کے شہداء مسلم بن عقیل اور ہانی بن عروہ کے طفیل میں ہماری تمام مشکلات کوحل کردے اورہمیں زیادہ سے زیادہ خدمت خلق کرنے کی توفیق عنایت فرمائے۔

★★★★★

# حج اور ہماری ذمہ داریاں

عالیجناب مولانا سید عمار حیدر رضوی صاحب

تمام حمد وثنا اس وحدہ لاشریک اور واحد و یکتا خدائے کریم کیلئے مختص ہے کہ جو تمام حدود و قیود زمانی و مکانی سے بے نیاز ہے نہ ہی اسے مکان کی احتیاج اور نہ ہی زمان کی ضرورت ہے۔

لیکن پھر بھی اس لامکان معبود نے ہم زمین اور پستیوں میں رہنے والوں کیلئے عصمتوں کی ہمرکابی میں اپنی ذات سے منسوب ایک گھر بنوایا۔

"إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِّلْعَالَمِينَ"

بیشک سب سے پہلا گھر جو لوگوں کی عبادت کیلئے بنایا گیا وہی ہے جو مکہ میں ہے برکت والا اور عالمین کیلئے ہدایت ہے۔ (آل عمران، ۹۶)

اور اس بیت کو طواف کرنے والوں کیلئے مطاف اور خضوع و خشوع سے سجدہ کرنے والوں کیلئے قبلہ اور زیارت کرنے والوں کیلئے وجہ اللہ قرار دیا۔ اور اسے وسط زمین میں رکھا تا کہ زمین کے کسی بھی گوشے سے آنے والے کو کوئی دشواری نہ ہو اور وہ چاروں طرف سے بآسانی محضر حق میں حاضری دے سکے۔

اس بیت مقدس کی تعمیر اوّل ملائکہ نے کی جبکہ تعمیر ثانی ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے دست مبارک سے کی۔ اور پھر اسکی دیواریں خداوند کریم نے اپنے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ان پاکیزہ ہاتھوں سے بلند کروائیں کہ جو کبھی شرک و کفر سے آلودہ نہیں ہوئے۔ یہ گھر فرش زمین پر پہلا

گھر ہے اور ذات خداوند سے منسوب بھی ہے یہی وجہ ہیکہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ سے خاتم الانبیاء تک اور خاتم الانبیاء سے آئمہ معصومین، صالحین، زاہدین، علما، اور عرفاء الٰہی سب نے تمام خلق خدا کو تشویق دلائی ہیکہ وہ خانہ خدا کی زیارت سے اپنی آنکھوں کو منور کریں۔اور اسرار و رموز روحانی و معنوی سے آشنا ہوکر سیر وسلوک کی راہوں پر گامزن ہو جائیں۔قرآن مجید میں اس بیت کیلئے دو مقام پر بیت عتیق استعمال ہوا ہے اور دو مقام پر لفظ کعبہ کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔

"وَأَذِّن فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَىٰ كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِن كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ"

اور تم لوگوں میں حج کا بلند آواز سے اعلان کرو وہ تمہارے پاس پیدل اور تمام دبلے اونٹوں پر (سوار) حاضر ہو جائیں گے جو دور دراز کے راستوں سے آتے ہیں۔ (الحج، ۲۷)

اور معرفت کے ساتھ وارد ہونے والوں کے امام محمد باقر علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں:

"مَنْ دَخَلَ هَذَا الْبَيْتَ عَارِفاً بِجَمِيعِ ما أَوْجَبَهُ اللهُ عَلَيْهِ كَانَ آمِناً فِي الآخِرَةِ مِنَ الْعَذَابِ الدَّائِمِ" جو شخص اس گھر میں اس عرفان کے ساتھ داخل ہو کہ جو کچھ خداوند عالم نے اس پر واجب کیا ھے اس سے آگاہ رہے تو قیامت میں دائمی عذاب سے محفوظ رہے گا۔

(عوالی اللآلی، ج ۴، ص ۲۲۷)

### وجہ تسمیہ کعبہ

خانہ خدا کو کعبہ اس لئے کہا جاتا ہیکہ یہ عمارت بلندی اور رفعت معنوی رکھتی ہے۔یا چونکہ کعبہ وسط زمین میں واقع ہے۔ (الموسوعۃ العربیۃ العالمیۃ ۱۹، ص ۳۰۷)

یا از لحاظ" مکعب" چار گوشوں یعنی مربع ہے اور یہ چار گوشے تسبیحات اربعہ کے ہندسے پر قائم ہیں اور تسبیحات اربعہ میں خدا کی صفات ثبوتیہ اور صفات سلبیہ بیان ہوئی ہیں۔اسی لئے جو شخص اس گھر کیلئے عازم سفر ہوتا ہے مُحرم ہونے کے بعد اسکے لئے بلند آواز سے یہ جملہ کہنا فرض ہوتا ہے۔۔۔۔

"لبیک اللھم لبیک، لبیک لا شریک لک لبیک ان الحمد والنعمۃ لک والملک لاشریک لک"

اور بعض قول سے تو یہ ثابت ہوتا ہیکہ حج درحقیقت اسی لبیک اور تلبیہ پر منحصر ہے۔

## فضیلت حج

بیت اللہ، اسلامی احکام کیلئے ایک خاص اہمیت کا حامل ہے معبود حقیقی نے عبادات میں نماز (جو دین کا ستون اور میزان اعمال ہے) کیلئے تمام مسلمانوں کو حکم دیا ہیکہ جب بھی نماز (واجب) کیلئے کھڑے ہوتو اپنا رخ بیت اللہ کی طرف کر کے محضر حق میں حاضری دو تا کہ تمہاری نماز جیسی قیمتی عبادت ہماری بارگاہ میں شرف قبولیت حاصل کر لے، خصوصا حج کیلئے خانہ کعبہ ایک مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔

البتہ ضرورت تو اس بات کی ہے کہ آج تمام مسلمان جہان، حقیقتِ حج، اہداف حج اور فلسفہ حج کو سمجھنے کی کوشش کریں جو اسکے ارکان کی ادائیگی میں مضمر و پوشیدہ ہیں۔

ملت اسلامیہ کو چاہئے کہ حج کے تمام عرفانی و روحانی، سیاسی، تہذیبی، اور ثقافتی پہلو سے آشنا ہوں تا کہ اسلامی اقدار اور اسکے رموز و اسرار کا پتہ چل سکے۔

آج شاید وہ پروپگنڈہ ہمارے اسلامی معاشرے میں اور مسلمانوں کے افکار میں سرایت کر گیا ہے کہ" دین کا سیاست سے کوئی تعلق نہیں ہے"۔ مسلمانو! اب ہوش میں آنے کا وقت آ گیا ہے ہمیں بیدار ہونے کی ضرورت ہے اسلامی بیداری آج کی ضرورت بن چکی ہے جب تک آج کا ہر مسلمان بیداری کا ثبوت نہیں دیگا اس وقت تک نہ معاشرہ بیدار ہوگا اور نہ ہی ہماری قوم اور ملک بیدار ہونگے۔

ہمیں حج کے فلسفہ کو سمجھنا ہوگا افکار ابراہیمی کو درک کرنا ہوگا یہ حج میں لبیک اللھم لبیک سے لیکر آخر ارکان حج تک یہ ایک عبادت بھی ہے اور سیاست بھی ہے۔ اسلام صرف دین تعبدی نہیں اور صرف بندے اور خالق کے درمیان ایک عبادی رابطہ کا نام نہیں بلکہ اسلام کے انہیں عبادی پہلوؤں میں سیاسی جنبہ بھیمو جود ہے۔ دین سیاست سے جدا نہیں بلکہ ایک دوسرے میں مدغم ہیں۔

کیا ضرورت ہیکہ مسجدوں میں نماز جماعت ہو؟ کیا ضرورت ہیکہ لوگ دور دور سے اپنے محلّے کی مسجدوں کو چھوڑ کر جامع مسجد میں آئیں اور اس عبادت کو ایک ساتھ ایک صف میں شانہ بہ شانہ کھڑے ہوکر ادا کریں؟ کیا ضرورت ہیکہ آج بھی اس قربانی کی یاد منائی جائے جو کل خلیل خدا نے منٰی کے میدان میں بارگاہ خدا میں پیش کی؟ مسلمان اپنی پوری زندگی کا سرمایہ خرچ کرے جسمانی اذیتوں کو برداشت کرے اگر مستطیع ہے تو مکہ جا کر حج میں شریک ہو آخر ایسا کیوں۔۔۔ ؟

کیا یہ دین اسلام کے صرف تعبدی نظام کی تکمیل ہو رہی ہے یا پھر وہ حکیم مطلق ہم سے ان احکام واعمال کے ذریعہ کچھ اور چاہتا ہے۔

حج کے فلسفہ کو سمجھنا نہایت اہم ہے، آج حج بے جان نظر آ رہا ہے کیوں کہ اس مکمل اور جامع سرمایہ کو صرف عبادی اور سفر زیارتی بنا کر پیش کیا گیا ہے۔ شاید یہی وجہ ہیکہ آج بھی حج ہم سے افکار ابراہیمی کا طلبگار ہے اور اسماعیلی قربانی اور جانثاری کی طرف دعوت دے رہا ہے۔ کہاں ہیں وہ ابراہیمی فکر رکھنے والے جو استعماری طاقتوں سے بنائے ہوئے بتوں کو توڑ سکیں۔ کہاں ہیں اسماعیلی جذبہ قربانی کو سلام کرنے والے جو اپنے جان و مال کی قربانی دیکر مسلمانوں کے اقتصادی مسائل کا حل کریں اور اس عظیم قربانی کا نذرانہ اپنے حقیقی رب کی خدمت میں پیش کریں؟؟؟

احرام وطواف وسعی ودیگر ارکان جسم ہیں اور فکر ابراہیمی اور فکر محمدی اسکی روح ہے قربانی جسم ہے اور ایثار وجانثاری اسماعیلی اسکی روح ہے۔

احرام اور اسکا فلسفہ

احرام کا لفظ "ح رم" کے مادے سے ان معانی میں آتا ہے: منع کرنا اور روکنا۔

(معجم مقاییس اللغہ، ج ۲، ص ۴۵، مادہ حرم)

کسی حریم میں داخل ہونا جس کی ہتک حرمت جائز نہیں مثلاً حرم یا حرام مہینے۔

(تاج العروس، ج ۱۶، ص ۱۳۴)

خاص عہد و پیمان۔ (لسان العرب، ج ۱۲، ص ۱۲۳)

جس طرح تکبیرۃ الاحرام کہنے کے بعد انسان نماز میں داخل ہو جاتا ہے اسی طرح جب اپنی زبان اور صدق دل سے "لبیک اللھم لبیک" کہتا ہے تو محرِم حج میں شامل ہو جاتا ہے۔ خداوند کریم نے اس عبادت کا نظام ایسا بنایا ہے کہ انسان دو بغیر سلے ہوئے پارچوں کے ذریعہا حرام باندھے، سر برہنہ ہو، پیروں میں جوتے یا موزے نہ ہوں جو پیروں کو چھپا دیں، یہ اس غنی مطلق کا نظام ہے جو سب کا پالنے والا ہے جسکا عادلانہ نظام اس بات کی عکاسی کر رہا ہے کہ اسکی نگاہ میں امیر وغریب، سفید وسیاہ، مرد وعورت، شرقی وغربی ہونا کوئی معیار نہیں ہے اسکے یہاں عزتوں کا معیار تقوی ہے جسکا تقوی سب

سے زیادہ ہوگا وہ نگاہ معبود میں بھی سب سے زیادہ بلند ہوگا۔

اسی لئے رسول خداؐ نے فرمایا: "یا ایھا الناس ان ربکم واحد وان اباکم واحد الا لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا لاحمر علی اسود ولا اسود علی احمر الا بالتقوی ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم"

''اے لوگو! بے شک تمھارا رب بھی ایک ہے اور تمھارا باپ بھی ایک۔ آگاہ رہو! کسی عربی کو کسی عجمی پر، کسی عجمی کو کسی عربی پر، کسی سفید فام کو کسی سیاہ فام پر اور کسی سیاہ فام کو کسی سفید فام پر کوئی فضیلت حاصل نہیں۔ فضیلت کا معیار صرف تقویٰ ہے۔ تم میں سے اللہ کے نزدیک زیادہ عزت کا مستحق وہ ہے جو زیادہ حدود کا پابند ہے۔''

(بیھقی، شعب الایمان، ج ۴، ص ۲۸۹)

شاید اسی لئے اس اجتماعی عبادت میں اللہ نے تمام مسلمانوں کو ایک لباس اور ایک رنگ میں حاضر ہونے کا حکم دیا ہے۔

> حج میں وہ تربیتی نظام ہے جو انسان کو لقاء الٰہی اور توحید و تنزیہ کے افق سے نزدیک کر دیتا ہے۔ یہیں پر آکر پتہ چلتا ہے کہ واقعا سب فرزند آدم ہیں۔ نہ عرب کو عجم پر کوئی فضیلت حاصل ہے اور نہ ہی عجم کو عرب پر فقط معیار الٰہی تقویٰ ہے۔

## محرمات احرام

محرمات احرام (احرام باندھنے سے جو چیزیں حرام ہو جاتی ہیں) کہ جنکی تعداد تقریبا چودہ ہے یہ خود ایک روحانی، اخلاقی اور سیاسی معاشرے کی مشق و تمرین ہے۔ یہاں پر چند محرمات درج ذیل ہیں جو ہمارے لئے روحانی اور اخلاقی ارتقاء کا باعث ہیں:

۱۔ جانداروں کو اذیت دینا

یہ حکم آج کے انسانوں کو دعوت فکر دے رہا ہے کہ سوچو! جو مذہب حالت احرام میں تمام مسلمانوں کو جمع کر کے جانوروں کا احترام سکھا رہا ہو وہ یہ کیسے برداشت کر سکتا ہے کہ دنیا میں قتل و

غارت گری کی جائے۔ اسلام تو دین وحدت ہے یہ تو ہمیں امن وامان کی دعوت دے رہا ہے۔

۲۔ جھوت بولنا، گالی دینا، فسق وفجور انجام دینا

یہ ایک تربیتی ٹریننگ ہے جو ایک سالم معاشرے کی تشکیل کیلئے ضروری ہے۔

۳۔ قسم کھانا

4۔ موذی بدن جانوروں کو مارنا (مچھر، جوں وغیرہ)

5۔ اسلحہ ساتھ لیکر چلنا

۶۔ اپنے بدن سے خون نکالنا

7۔ دانت نکلوانا

یہ حج کے وہ احکام ہیں جو تربیتی و اجتماعی نظام کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ ایک اسلامی معاشرے کا نظام کیسا ہونا چاہئے۔ اسی طرح خداوند عالم نے تربیتی اور ثقافتی پہلو کے ساتھ ساتھ فردی اور شخصی احکامات بھی الزامی کئے تا کہ انسان جہاد بالنفس کی بھی تربیت حاصل کرے۔

انسان کو بہت سی حلال جسمانی لذتوں سے دور رکھا حتی لذت آمیز نگاہ ڈالنا بھی منع قرار دیا اور مقدمات کی بھی ممانعت کی گئی ہے جیسے نکاح کرنا۔ (محقق حلی، شرایع، ج۱، ص۲۴۹)

یا نکاح کا گواہ بنانا وغیرہ، اسی طرح خوشبو لگانا، سرمہ استعمال کرنا۔

(مناسک حج واحرام عمرہ (سبحانی) ص: ۷۷)

تیل ملنا، عورت کا زینت کرنا۔

یہ قوانین انسان کو جہاد کیلئے آمادہ کرتے ہیں کہ اگر نصرت الٰہی کا دعوی ہے، اور خدا کا سپاہی بننے کی تمنا ہے تو جہاد بالنفس کے لئے تیار ہو جاو کیونکہ جب تمہارے قدم قربانی کیلئے آگے بڑھیں گے تو کبھی مال ودولت رکاوٹ بن کر سامنے آئیں گے کبھی ضرورت اور حبّ دنیا اور کبھی معاشرہ اور خاندان اور کبھی شریک حیات لہذا اپنے نفس کو اس تمرین کے ذریعہ اس منزل کمال تک پہونچا دیں کہ کسی بھی مرحلہ میں ثبات قدم میں لغزش نہ آنے پائے اور حبّ دنیا ہمارے اعصاب کو اسیر نہ بنا سکے۔

مولائے کائنات حضرت علیہ السلام فرماتے ہیں: میں تو اپنے نفس کو تقویٰ کی تربیت دے رہا

ہوں تاکہ عظیم ترین خوف (قیامت) کے دن مطمئن ہوکر میدان میں آئے۔ (نہج البلاغہ مکتوب ۴۵)

اسی طرح کچھ قوانین جو انسانی نفوس کو راہ تقویٰ اور ریاضت پر گامزن کرتے ہیں جیسے سائے میں چلنا، آئینہ دیکھنا، سلا ہوا لباس زیب تن کرنا، ناخن تراشنا، مرد کا اپنا سر چھپانا تاکہ سورج کی گرمی کا احساس نہ ہو، اسی طرح عورت کا اپنا چہرہ چھپانا۔

یہ حج کا وہ تربیتی نظام ہے جو انسان کو لقاء الٰہی اور توحید و تنزیہ کے افق سے نزدیک کردیتا ہے۔

یہیں پر آکر پتہ چلتا ہے کہ واقعاً سب کے باپ ایک ہیں، سب فرزند آدم ہیں۔ نہ عرب کو عجم پر کوئی فضیلت حاصل ہے اور نہ ہی عجم کو عرب پر فقط معیار الٰہی تقویٰ اور پرہیزگاری ہے۔

اس میں پورا نظام وحدت اور نظام اخلاق و تقوی سمٹا ہوا ہے۔ حج کا سب سے مہم ترین فلسفہ یہی اخلاقی انقلاب ہے جو حج کرنے والے میں رونما ہوتا ہے، جس وقت انسان "احرام" باندھتا ہے تو ظاہری امتیازات، رنگ برنگ کے لباس اور زر و زیور جیسی تمام مادیات سے باہر نکال دیتا ہے، لذائذ کا حرام ہونا اور اصلاح نفس میں مشغول ہونا (جو کہ مُحرِم کا ایک فریضہ ہے) انسان کو مادیات سے دور کردیتا ہے اور نور و پاکیزگی اور روحانیت کے عالم میں پہنچا دیتا ہے اور عام حالات میں خیالی امتیازات اور ظاہری افتخارات کے بوجھ کو اچانک ختم کردیتا ہے جس سے انسان کو راحت اور سکون حاصل ہوتا ہے۔

اس کے بعد حج کے دوسرے اعمال یکے بعد دیگرے انجام پاتے ہیں، جن سے انسان، خدا سے لحظہ بہ لحظہ نزدیک ہوتا جاتا ہے اور خدا سے رابطہ مستحکم تر ہوتا جاتا ہے، یہ اعمال انسان کو گزشتہ گناہوں کی تاریکی سے نکال کر نور و پاکیزگی کی وادی میں پہنچا دیتے ہیں۔

حج کے تمام اعمال میں قدم قدم پر بت شکن ابراہیم، اسماعیل ذبیح اللہ اور ان کی مادر گرامی جناب ہاجرہ کی یاد تازہ ہوتی ہے جس سے ان کا ایثار اور قربانی انسان کی آنکھوں کے سامنے مجسم ہوجاتی ہے۔

یہ تمام چیزیں مل کر انسان کے دل میں ایک روحی اور اخلاقی انقلاب پیدا کردیتی ہیں اسی لئے اسلامی روایات ملتا ہے کہ "یَخرِجُ مِنْ ذُنُوبِہِ کَھَیئَتِہ یَوم ولدتہُ اُمُّہ" "حج کرنے والا اپنے گناہوں سے اس طرح پاک ہوجاتا ہے جیسے ابھی شکم مادر سے پیدا ہوا ہو"۔

(بحار الانوار، جلد ۹۹، ص ۲۶)

اور اسی لئے پیغمبر اسلام ص نے ارشاد فرمایا: "فَإِذَا طُفتَ بِالْبَيتِ اسبُوعاً لِلزِّيَارَةِ وَ صَلَّيتَ عِنْدَ الْمَقَامِ رَكْعَتَينِ ضَرَبَ مَلَكٌ كَرِيمٌ عَلَى كَتِفَيكَ فَقَالَ امَّا مَا مَضَى فَقَدْ غُفِرَ لَكَ فَاسْتَانُفِ الْعَمَلَ فِيمَا بَينَكَ وَ بَينَ عِشرِينَ وَ مِائَةِ يَوْمٍ"

"پس جب تم خانہ کعبہ کے گرد زیارت کا طواف کر لیتے ہو اور مقام ابراہیمؑ کے نزدیک نماز طواف ادا کر لیتے ہو تو ایک کریم و بزرگوار فرشتہ تمھارے شانوں پر ہاتھ رکھ کر کہتا ہے: جو کچھ گزر گیا اور تم نے جو گناہ پہلے انجام دیئے تھے خداوند عالم نے وہ سب بخش دیئے پس اس وقت سے ایک سو بیس دن تک (تم پاک و پاکیزہ رہو گے) اب نئے سرے سے اپنے عمل کا آغاز کرو"۔

جب تم خانہ کعبہ کے گرد طواف زیارت کر لیتے ہو اور مقام ابراہیمؑ کے نزدیک نماز ادا کر لیتے ہو تو ایک فرشتہ تمھارے شانوں پر ہاتھ رکھ کر کہتا ہے: جو کچھ گزر گیا اور تم نے جو گناہ پہلے انجام دیئے تھے خداوند عالم نے وہ سب بخش دیئے۔ نبی کریمؐ

جی ہاں! حج مسلمانوں کے لئے ایک نئی زندگی ہے جس سے انسان کی زندگی کا نیا دور شروع ہوتا ہے۔

البتہ یہ تمام آثار و برکات ان لوگوں کے لئے نہیں ہیں جن کا حج صرف ظاہری پہلو رکھتا ہے جو حج کی حقیقت سے دور ہیں اور نہ ہی ان لوگوں کے لئے جو حج کو ایک سیر و تفریح سمجھتے ہیں یا ریاکاری اور سامان کی خرید و فروخت کے لئے جاتے ہیں، اور جنھیں حج کی حقیقت کا علم نہیں ہے، ایسے لوگوں کا حج میں وہی حصہ ہے جو انھوں نے حاصل کر لیا ہے!

"اللھم ارزقنا حج بیتک الحرام"

بارالہا ہم سب کو حج سے مشرف ہونے کی توفیق عنایت فرما اور اسکے مقاصد اور رموز و اسرار سمجھنے کی صلاحیت اور توفیق عطا فرما۔

★★★★★

پیشکش: عالیجناب مولانا سید کمیل اصغر زیدی صاحب

ہر سماج میں دوسروں کے ساتھ صحیح روابط قائم کرنے کے لئے کچھ قواعد وضوابط اور اصولوں کی رعایت ضروری ہے۔ تا کہ اول یہ کہ ہم خود کو اپنے معاشرہ میں ایک اچھی اور مثالی شخصیت کے طور پر پیش کرسکیں چنانچہ اگر ہم کامیاب ہوگئے تو ہمارے اچھے اخلاق کو دیکھ کر لوگ ہم سے رابطہ رکھنے کے خواہش مند ہوں گے نیز اس سے ہمارے اقدار بھی بلند ہوں گے۔

اور دوسرے یہ کہ اس کے ذریعہ ہم دوسروں کے حقوق کو پہچان کر انھیں ادا کرنے کی کوشش کریں اور انہیں پامال کرنے سے پرہیز کریں۔

یہ اصول اور قواعد دو قسم کے ہیں: کچھ ایسے صفات اور خصوصیات ہیں جن پر ہمیں دوسروں کے ساتھ رابطہ رکھتے وقت عمل کرنا چاہئے اور ان سے آراستہ ہونا چاہئے اور کچھ وہ بری عادتیں اور خصلتیں ہیں جن سے پرہیز کرنا چاہئے دوسرے الفاظ میں کچھ ایسے اخلاقی فرائض ہیں کہ جن کی پابندی کا اسلام نے ہمیں حکم دیا ہے اور کچھ ایسی اخلاقی برائیاں ہیں جن سے سماجی زندگی میں پرہیز کرنے کی تاکید کی ہے۔ لہٰذا جب تک ہم ان دونوں اصولوں کی رعایت نہیں کریں گے اس وقت تک ہماری اجتماعی اور سماجی زندگی بہتر نہیں ہوسکتی ہے۔

وہ تمام اچھے اخلاقی صفات وخصوصیات، جن کو ہم اپنی سماجی اور اجتماعی زندگی میں مدنظر رکھتے ہیں اور ان پر عمل کرتے ہیں یا وہ تمام بداخلاقیاں اور بری عادتیں جن سے پرہیز کرتے ہیں انہیں ''سماجی اخلاق'' (آداب معاشرت) کہا جاتا ہے۔

## حسن خلق (خوش اخلاق ہونا)

سماجی زندگی یعنی دوسروں کے ساتھ رفت و آمد اور اٹھنے بیٹھنے میں ہر انسان کی خواہش یہی رہتی ہے کہ وہ سماج میں باعزت رہے اور تمام لوگ اس کا احترام کریں اور اس سے محبت کریں۔

سماج میں اور لوگوں کے درمیان باوقار اور صاحب مرتبہ ہونے کی یہ خواہش انسان کے اندر اس لئے ہوتی ہے کہ فطری طور پر انسان تنہائی سے وحشت کرتا ہے لہٰذا انسان کی بہت سی مادی و معنوی ضروریات صرف لوگوں سے رابطہ رکھ کر ہی پوری ہوتی ہیں اور تنہائی یا گوشہ نشینی کی صورت میں یہ ضروریات پوری نہیں ہوسکتیں ہیں اسی لئے جب انسان بالکل تنہا یا لوگوں سے کنارہ کش ہوجاتا ہے تو اسے اپنے اندر ایک قسم کی کمی اور محتاجی کا احساس ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ رنجیدہ ہوتا ہے لہٰذا انسان اپنی مادی و معنوی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے اس قسم کے روابط رکھنے پر مجبور ہے۔

لوگوں سے اچھے تعلقات اور روابط رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ سماج میں اس کا اپنا ایک مقام ہوتا کہ لوگ اسے اپنے درمیان قبول کریں اور اس سے تعلقات رکھنے کو تیار ہوں اس طرح انسان دوسروں سے اچھی عادتیں سیکھ کر اپنی ذاتی صلاحیتوں اور اچھائیوں کو دوسروں کے سامنے پیش کرسکتا ہے اور کمال کی منزلوں پر فائز ہوسکتا ہے۔

لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے اور ان کی رضایت اور محبت حاصل کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ان کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آئیں اور اچھا برتاؤ کریں۔ دراصل خوش اخلاقی نہ صرف یہ کہ لوگوں کے دلوں کو جیتنے کا بہترین ذریعہ ہے بلکہ بہت ساری دوسری اچھائیوں کا بھی محور ہے۔ یعنی جب تک خوش اخلاقی نہ ہو دوسرے اخلاقی صفات کی واقعی قدر و قیمت ظاہر نہیں ہوسکتی ہے مثلاً اگر سخاوت خوش اخلاقی کے ساتھ نہ ہو بلکہ بداخلاقی کے ساتھ سخاوت کی جائے تو اسے کوئی قبول نہیں کرے گا۔ جب تک انسان کشادہ روئی سے کسی کو کوئی تحفہ نہ دے تو کوئی اسے قبول نہیں کرتا۔ اسی طرح مثال کے طور پر اگر شجاعت و بہادری بداخلاقی کے ساتھ ہو تو وہ کینہ اور دشمنی دکھائی دے گی اور دوست و دشمن سے ملنے میں کوئی فرق نہیں رہے گا۔ لہٰذا اگر تمام اخلاقی عادات کے ساتھ خوش اخلاقی بھی ہو تو انسان کی شان اور اس کا مرتبہ دوبالا ہوجائے گا۔

علمائے اخلاق، حسن خلق کی تعریف میں کہتے ہیں کہ: حسن خلق، نفس انسانی کی اس حالت کو کہا جاتا ہے جو انسان کو لوگوں کے ساتھ کشادہ روئی اور خوش زبانی کے ساتھ اچھے برتاؤ کی طرف لے جاتی ہے۔

امام جعفر صادقؑ کی ایک روایت اس تعریف کی تائید کرتی ہے کہ جب کسی نے آپ سے یہ سوال کیا کہ حسن خلق کا کیا مطلب ہے؟ تو آپ نے فرمایا: "تلین جناحک و تطیب کلامک و تلقی اخاک ببشر حسن" حسن خلق یہ ہے کہ اپنے شانوں کو جھکالو (تواضع) کرو اپنی گفتگو کو پاک و پاکیزہ بناؤ (اچھی گفتگو کرو) اپنے برادر دینی سے خندہ پیشانی سے ملاقات کرو۔ (بحارالانوار ج ۷۱ ص ۱۷۱)

امامؑ نے جو یہ فرمایا کہ: "تلین جناحک" (اپنے شانوں کو جھکالو) اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے دینی بھائیوں کے ساتھ نرمی اور تواضع سے پیش آؤ۔ اور سختی یا غیظ و غضب کے برتاؤ سے پرہیز کرو مومن کی سختی اور غیظ و غضب صرف کافر کے مقابلہ میں ہونا چاہئے اور مومنین کو آپس میں محبت و الفت سے پیش آنا چاہئے۔

خوش اخلاقی کی فضیلت اور اس کی دنیوی اور اخروی قدر و قیمت کے سلسلہ میں پیغمبر اسلامؐ اور ائمہ اطہارؑ سے بہت ساری روایتیں وارد ہوئی ہیں یہاں ہم نمونہ کے طور پر چند حدیثوں کی طرف اشارہ کررہے ہیں:

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

★ "أفاضلکم احسنکم اخلاقاً، الموطئون اکنافا، الذین یالفون و یؤلفون و توطأ رحالھم" تم میں سب سے بہتر وہ ہے جس کا اخلاق و کردار اچھا ہو یہ وہ لوگ ہیں جو ایک دوسرے کی عزت و احترام کرتے ہیں اور دوسروں سے محبت سے پیش آتے ہیں اور دوسرے بھی ان سے الفت و محبت سے پیش آتے ہیں اور وہ اپنے دروازے سب کے لئے کھلے رکھتے ہیں۔

(اصول کافی ج ۲، ص ۱۰۲ باب حسن خلق)

★ "ان صاحب الخلق الحسن لہ مثل اجر الصائم القائم" خوش اخلاق انسان کا اجر اس شخص کے جیسا ہے جو دنوں میں روزے رکھتا ہے اور راتیں عبادت میں گذار دیتا ہے۔

(گذشتہ حوالہ ص ۱۰۰)

★ "اول ما یوضع فی میزان العبد یوم القیامة حسن خلقه" روز قیامت انسان کے میزان اعمال میں سب سے پہلے اس کا اچھا اخلاق رکھا جائے گا۔

(بحارالانوار ج ۶۸ ص ۳۸۵، باب حسن الخلق)

★ "ما من شی افضل فی المیزان من خلق حسن" روز قیامت میزان اعمال میں خوش اخلاقی سے زیادہ وزنی اور بافضیلت کوئی چیز نہیں ہوگی۔ (بحارالانوار ج ۶۸ ص ۳۸۵، باب حسن خلق)

ایک دوسری روایت میں لفظ "اثقل" یعنی سب سے زیادہ وزنی کے بجائے "احسن" (یعنی سب سے اچھا) کا لفظ آیا ہے۔ ایک اور روایت میں (افضل، یعنی سب سے بہتر) کا لفظ ذکر ہوا ہے۔

★ "ان احبکم الی و اقربکم منی یوم القیامة مجلسا احسنکم خلقا" تم میں قیامت کے روز میرے نزدیک سب سے زیادہ محبوب اور سب سے قریب تر وہ ہوگا جو سب سے زیادہ خوش اخلاق ہوگا۔ (بحارالانوار ج ۶۶، ص ۴۰۹)

حضرت علیؑ اس سلسلہ میں فرماتے ہیں: "لاقرین کحسن الخلق" خوش اخلاقی سے بہتر کوئی ساتھی نہیں ہے۔ (بحارالانوار ج ۶۸، ص ۳۹۲)

نیز آپ فرماتے ہیں: "عنوان صحیفة المومن حسن خلقه" مومن کے اعمال نامہ کا عنوان اس کی خوش اخلاقی ہے۔ (بحارالانوار ج ۶۸ ص ۳۸۶)

امام حسنؑ فرماتے ہیں: "ان احسن الحسن الخلق الحسن" سب سے اچھی نیکی خوش اخلاقی ہے۔ (بحارالانوار ج ۶۸ ص ۳۷۲)

امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں: "ان اکمل المومنین ایمانا احسنهم خلقا"

ایمان کے اعتبار سے سب سے کامل وہ شخص ہے جس کا اخلاق سب سے اچھا ہو۔

(گذشتہ حوالہ)

خوش اخلاقی کے سلسلہ میں معصومینؑ کے ارشادات کے یہ کچھ اور نمونے تھے جو ہم نے آپ کے سامنے پیش کئے ہیں لیکن ان سب سے بڑھ کر وہ مقام ہے کہ جہاں خداوند عالم نے اپنے نبی حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تحسین و تکریم کرتے ہوئے فرمایا ہے:

"اِنَّکَ لَعَلیٰ خُلُقٍ عَظِیمٍ" اور آپ بلندترین اخلاق کے درجہ پر فائز ہیں۔ (قلم، ۴)

ایک اور دوسری آیت میں خداوند عالم ارشاد فرما رہا ہے کہ: ''اے میرے حبیب اگر خدا کے لطف و کرم سے آپ خوش اخلاق اور خندہ رو نہ ہوتے تو لوگ آپ پر ایمان نہ لاتے اور آپ سے دور ہو جاتے۔

"فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ"

اے پیغمبر! یہ اللہ کی مہربانی ہے کہ آپ ان لوگوں کے لئے نرم دل ہیں ورنہ اگر آپ بدمزاج اور سخت دل ہوتے تو یہ آپ کے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے۔ (آل عمران، ۱۵۹)

> اپنے دینی بھائیوں کے ساتھ نرمی اور تواضع سے پیش آؤ۔ اور سختی یا غیظ و غضب کے برتاؤ سے پرہیز کرو مومن کی سختی اور غیظ و غضب صرف کافر کے مقابلہ میں ہونا چاہئے اور مومنین کو آپس میں محبت والفت سے پیش آنا چاہئے۔

حضرت علیؑ جو تمام اصحاب و انصار میں پیغمبر اسلام ﷺ سے سب سے زیادہ قریب تھے اور آنحضرت ﷺ کو ان سے بہتر کسی نے نہیں پہچانا آپ نے پیغمبر اکرم ﷺ کے صفات اس طرح بیان فرمائے ہیں: ''کان اجود الناس کفاً و اجرأ الناس صدرا و اصدق الناس لهجة و أوفاهم ذمة و ألينهم عريكة و أكرمهم عشرة من رآه بديهة هابه و من خالطه فعرفه احبه، لم أر مثله قبله و لا بعده'' پیغمبر اسلام ﷺ لوگوں میں سب سے زیادہ عطا و بخشش کرنے والے، کشادہ سینہ رکھنے والے، سب سے زیادہ سچے اور عہد و پیمان کو وفا کرنے والے تھے، نرم مزاج، لوگوں سے ملنے جلنے میں کریم تھے جو بھی آپ کو پہلی مرتبہ دیکھتا خوش ہو جاتا، جو ان کا ہمنشین ہوتا ان کو پہچان لیتا تھا اور انہیں چاہنے لگتا، میں نے آپ سے پہلے یا آپ کے بعد کسی کو آپ جیسا نہیں پایا۔

(بحار الانوار ج ۱۶، ص ۲۳۱)

پیغمبر اسلام ﷺ کی خوش اخلاقی کا ایک نمونہ حضرت علیؑ یوں بیان فرماتے ہیں:

ایک مرتبہ پیغمبر اسلام ﷺ ایک یہودی کے کچھ مقروض تھے ایک روز وہ یہودی آنحضرت

ﷺ کی خدمت میں آیا اور اپنا قرض واپس مانگا۔ آپ نے اس سے فرمایا: فی الحال میرے پاس پیسے نہیں ہیں۔ یہودی نے کہا جب تک آپ میرا پیسہ نہیں دیں گے میں آپ کو نہیں چھوڑوں گا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ٹھیک ہے میں تمہارے پاس بیٹھا رہوں گا۔ آپ اس کے پاس بیٹھ گئے اور نماز ظہر و عصر اور مغرب و عشاء اور اگلے دن کی نماز صبح اسی کے پاس پڑھی۔

یہ دیکھ کر آپ کے اصحاب نے اس یہودی کو ڈرایا دھمکایا تو آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا: اس کے ساتھ ایسا برتاؤ کیوں کرتے ہو؟ اصحاب نے عرض کی! اس لئے کہ اس یہودی نے آپ کو قید کر رکھا ہے۔ آپ نے فرمایا: خداوند عالم نے مجھے اس لئے نہیں بھیجا ہے کہ میں دوسروں پر ظلم کروں۔ اگلے روز ظہر کے وقت اس یہودی کی زبان پر کلمۂ شہادتین جاری تھا اور وہ اسلام لے آیا۔ اور تب اس نے پیغمبر اسلام ﷺ سے عرض کی: خدا کی قسم میں نے یہ صرف اس لئے کیا تھا تا کہ آپ کا کردار دیکھ سکوں۔ کیونکہ میں نے توریت میں آپ کے یہ صفات پڑھے ہیں ''خدا کے نبی محمد بن عبداللہ کی جائے ولادت مکہ ہے اور ان کی ہجرت کا مقام مدینہ ہے وہ نہ تند مزاج ہیں اور نہ غصہ ور اور نہ چیخنے چلانے والے ہیں نہ سخت مزاج اور نہ ہی بدزبان و بدکلام ہیں'' میں بھی خدا کی وحدانیت اور آپ کی رسالت کی گواہی دیتا ہوں اور اپنا مال خدا کے لئے وقف کرتا ہوں۔ یہ میرا مال ہے اس کے بارے میں آپ کو اختیار ہے۔

اس کے بعد اس یہودی نے جو بہت مالدار تھا اپنا تمام مال آپ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ ہم نے اس واقعہ کو اس لئے پیش کیا ہے تا کہ ہم آنحضرتؐ کی خوش اخلاقی سے بھی واقف ہو جائیں اور اس کے ساتھ اس آیۂ کریمہ کا مصداق بھی پہچان لیں: "لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ" رسول کی زندگی تمہارے لئے بہترین نمونۂ عمل ہے۔ (احزاب:۲۱)

البتہ یہ بھی معلوم رہنا چاہئے کہ پیغمبر اسلام اور ائمہ اطہارؑ کی زندگی میں مذکورہ واقعہ جیسے بے شمار واقعات ہیں جو تاریخ کے دامن میں محفوظ ہیں وہ اکثر افراد جو اسلام کے گرویدہ ہوئے ہیں وہ درحقیقت آنحضرت کے عظیم الشان کریمانہ اخلاق، شرح صدر اور تواضع کی وجہ سے ہی مسلمان ہوئے تھے۔

## خوش اخلاقی کے نتائج

خوش اخلاقی کے بہت سارے فوائد ہیں جن میں بعض تو اس قدر واضح ہیں کہ جن کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے پھر بھی ہم یہاں بعض فوائد کو معصومینؑ کی احادیث کی روشنی میں بیان کرتے ہیں۔

امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں: "حسن الخلق یزید فی الرزق" خوش اخلاقی روزی میں اضافہ کرتی ہے۔ (بحار الانوار ج ۶۸، ص ۳۹۶)

حضرت علیؑ فرماتے ہیں: "حسن الخلق یدرّ الارزاق و یؤنس الرفاق" خوش اخلاقی روزی کو زیادہ کرتی ہے اور دوستوں کی انسیت کا باعث ہوتی ہے۔ (غرر الحکم ص، ۲۵۵)

اسی طرح آپ فرماتے ہیں: "من حسن خلقه کثر محبّوه و آنست النفوس به" جس کا اخلاق اچھا ہوتا ہے اس کے چاہنے والے زیادہ ہوتے ہیں اور لوگ اس سے مانوس رہتے ہیں۔ (گذشتہ حوالہ)

امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں: "ان البر و حسن الخلق یعمران الدیار و یزیدان فی الأعمار" بیشک خوش اخلاقی شہروں کو آباد اور عمروں میں اضافہ کرتی ہے۔ (بحار الانوار ج، ۶۸ ص ۳۹۵)

پھر آپ فرماتے ہیں: "ان حسن الخلق یذیب الخطیئة کما تذیب الشمس الجلید و ان سوء الخلق لیفسد العمل کما یفسد الخل العسل" بیشک اچھا اخلاق خطاؤں کو اسی طرح خشک کر دیتا ہے جس طرح سورج کھال کو خشک کر دیتا ہے اور برا اخلاق عمل کو اسی طرح برباد کر دیتا ہے جس طرح سرکہ شہد کو خراب کر دیتا ہے۔ (گذشتہ حوالہ)

جیسا کہ آپ نے ملاحظہ فرمایا معصومینؑ نے ایک طرف تو ہمیں خوش اخلاقی کی تاکید کر کے ہمارے لئے اس کے نتائج و اثرات بھی بیان کر دئے ہیں اور دوسری طرف بد اخلاقی سے پرہیز کرنے کی تاکید کی ہے اور اس کے برے اثرات سے بھی آگاہ فرمایا ہے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: "سوء الخلق ذنب لا یغفر" بد اخلاقی ایسا گناہ ہے جس کی بخشش نہ ہوگی۔ (میزان الحکمہ باب، ۱۱۱۵)

اس سلسلہ میں حضرت علیؑ کے مندرجہ ذیل ارشادات ملاحظہ فرمائیں:

"سوء الخلق شر قرین" بداخلاقی بدترین ساتھی ہے۔ (غرر الحکم، ص، ۲۶۴)

"سوء الخلق نکد العیش و عذاب النفس" بداخلاقی زندگی کی تلخی اور عذاب جان ہے۔ (غرر الحکم، ص، ۲۶۴)

"سوء الخلق یوحش النفس و یرفع الانس" بداخلاقی انسان کو وحشی بنا دیتی ہے اور انس و محبت کو ختم کر دیتی ہے۔ (گذشتہ حوالہ)

"سوء الخلق یوحش القریب و ینفر البعید" بداخلاقی اقرباء کو اجنبی اور دور والوں کو متنفر کر دیتی ہے۔ (گذشتہ حوالہ)

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: "خصلتان لایجتمعان فی مومن، البخل و سوء الخلق" دو خصلتیں ایسی ہیں جو مومن کے اندر نہیں پائی جاسکتیں، بخل (کنجوسی) اور بداخلاقی۔ (میزان الحکمہ باب، ۱۱۱۵)

مذکورہ احادیث کی روشنی میں ہمیں بخوبی معلوم ہوگیا کہ اچھے اخلاق کے فوائد کتنے زیادہ ہیں اور اس سے انسان کو کس قدر سکون و اطمینان حاصل ہوتا ہے جب کہ بداخلاقی انسان کے لئے کس طرح وبال جان بن جاتی ہے۔

بے شک اچھا اخلاق خطاؤں کو اسی طرح خشک کر دیتا ہے جس طرح سورج کھال کو خشک کر دیتا ہے اور برا اخلاق عمل کو اسی طرح برباد کر دیتا ہے جس طرح سرکہ شہد کو خراب کر دیتا ہے۔ امام جعفر صادقؑ

★★★★★

مومنین سے گذارش ہے کہ دینی معلومات میں اضافہ اور اعلی و معیاری مضامین کے لئے مصباح الہدی اردو، ہندی، اور بچوں کے لئے نفیس طباعت اور رنگین پرنٹ کے ساتھ طوبی کے خود بھی بن ءے، اپنے دوستوں کو بھی ممبر بناءے۔

ایک یادگار مناظرہ

# ایک یادگار مناظرہ

تحریر: حجت الاسلام والمسلمین محمدی اشتہاردی ترجمہ: عالیجناب مولانا اقبال حیدری صاحب

سرزمین مصر میں عبدالملک نام کا ایک شخص رہتا تھا جس کے بیٹے کا نام عبداللہ تھا، اس بنا پر لوگ اسے ابوعبداللہ کہتے تھے۔ عبدالملک منکر خدا تھا اور اس کا یہ عقیدہ تھا کہ یہ دنیا خود بخود وجود میں آگئی ہے اس نے یہ سن رکھا تھا کہ شیعوں کے چھٹے امام حضرت جعفر صادق علیہ السلام مدینہ میں رہتے ہیں جس کی وجہ سے اس نے مدینہ کا قصد کیا تا کہ ان سے خداوند متعال کے بارے میں مناظرہ کرے۔

جب یہ شخص مدینہ پہنچ کر امام کا پتہ معلوم کرنے لگا تو اسے لوگوں نے بتایا کہ وہ حج کی ادائیگی کے لئے مکہ تشریف لے گئے ہیں۔

وہ مکہ کے طرف روانہ ہوا، مکہ معظمہ پہنچ کر اس نے دیکھا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام طواف میں مشغول ہیں عبدالملک طواف کرنے والوں کی صف میں داخل ہوا اور عناد کی وجہ سے اس نے امام جعفر صادق علیہ السلام کو دھکا دیا لیکن امام علیہ السلام نے بڑی محبت سے فرمایا: "تمہارا نام کیا ہے؟"

اس نے کہا: "عبدالملک"۔

امام علیہ السلام: "تمہاری کنیت کیا ہے؟"

عبدالملک: "ابوعبداللہ"۔

امام علیہ السلام: "وہ مالک کہ جس کے تم بندہ ہو (جیسا کہ تمہارے نام سے ظاہر ہوتا ہے) وہ زمین کا حاکم ہے یا آسمان کا؟ جب (تمہاری کنیت کے مطابق) تمہارا بیٹا بندہ خدا ہے؟ ذرا بتاؤ وہ

زمین کے خدا کا بندہ ہے یا آسمان کے؟ تم جو بھی جواب دو گے شکست کھاؤ گے"۔

عبد الملک لا جواب ہو گیا۔ ہشام برمکی امام کے شاگرد وہاں موجود تھے انھوں نے عبد الملک سے کہا: "کیوں نہیں امام کا جواب دیتے؟"

عبد الملک کو ہشام کی بات بہت بری لگی اور اس کا چہرہ بگڑ گیا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے بڑی نرمی سے عبد الملک سے کہا: "طواف ختم ہونے تک صبر کرو اور طواف کے بعد تم میرے پاس آؤ تا کہ دونوں مل کر کچھ گفتگو کریں"۔

جب امام جعفر صادق علیہ السلام طواف سے فارغ ہوئے تو وہ ان کے پاس آ کر برابر میں بیٹھ گیا۔ اس وقت امام کے چند شاگرد بھی وہاں تشریف رکھتے تھے۔

اس وقت امام علیہ السلام اور اس کے درمیان اس طرح مناظرہ شروع ہوا۔

امام علیہ السلام: "کیا تمہیں معلوم ہے کہ یہ زمین تہ و بالا ہوتی ہے، اور ظاہر و باطن رکھتی ہے؟"

منکر خدا: "ہاں"۔

امام علیہ السلام: "آیا زمین کے نیچے گئے ہو؟"

منکر خدا: "نہیں"۔

امام علیہ السلام: "بس تمہیں کیا معلوم کہ زمین کے نیچے کیا ہے؟"

منکر خدا: "زمین کے نیچے کے بارے میں کچھ نہیں جانتا لیکن یہ گمان کرتا ہوں کہ زمین کے نیچے کسی چیز کا وجود نہیں ہے"۔

امام علیہ السلام: "گمان اور شک ایک طرح کی لاچاری ہے جہاں تم یقین پیدا نہیں کر سکتے۔ کیا تم آسمان کے اوپر گئے ہو؟"

منکر خدا: "نہیں"۔

امام علیہ السلام: "کیا تمہیں کچھ معلوم ہے کہ آسمان میں کیا ہے اور وہاں کون کون سی چیزیں پائی جاتی ہیں؟"

منکر خدا: "نہیں"۔

امام علیہ السلام: "عجیب! نہ تم نے مشرق دیکھا نہ مغرب دیکھا ہے نہ زمین کے نیچے گئے ہو اور نہ آسمان کے اوپر گئے تا کہ یہ معلوم کر سکو کہ وہاں کیا کیا ہے اور اس جہل و نادانی کے بعد بھی تم ان تمام چیزوں کے منکر ہو (تم اوپر اور نیچے کی موجودہ اشیاء اور اس کے نظم و ترتیب جو خداوند متعال کے وجود کی حکایت کرتی ہیں اس سے بالکل نا آشنا ہو پھر کیوں منکر خدا ہو؟) کیا کوئی عاقل شخص جس موضوع میں جاہل ہوتا ہے اس کا انکار کرتا ہے؟!"

منکر خدا: "آج تک مجھ سے کسی نے اس طرح کی بات نہیں کی"۔

امام علیہ السلام: "غرض تم اس حقیقت پر شک کرتے ہو کہ آسمان کے اوپر اور زمین کے نیچے کچھ چیز موجود ہے ہی نہیں؟"

منکر خدا: "ہاں شاید اسی طرح ہو"۔ (اس طرح منکر خدا آہستہ آہستہ مرحلہ انکار سے شک و تردید کے مرحلہ تک پہنچا)

امام علیہ السلام: "جو شخص جاہل ہے وہ عالم کے لئے دلیل نہیں ہو سکتا، اے مصری برادر! میری بات سنو اور سمجھو ہم خدا کے وجود کے بارے میں ہرگز شک نہیں کرتے کیا تم سورج، چاند اور دن و رات کو نہیں دیکھتے کہ وہ صفحہ افق پر آشکار ہوتے ہیں اور وہ مجبوراً اپنے معین راستہ پر گردش کر کے واپس پلٹتے ہیں اور وہ اپنی معین مسیر میں مجبور و ناچار ہیں؟

اب میں تم سے پوچھتا ہوں اگر چاند سورج کے پاس گردش کرنے کی ذاتی قوت ہے تو وہ کیوں پلٹتے ہیں اور اگر اپنے آپ کو مجبور نہیں سمجھتے ہیں تو کیوں رات دن نہیں ہو جاتی اور دن رات نہیں ہو جاتا ہے؟ اے مصری برادر! خدا کی قسم یہ چاند و سورج اپنی گردش پر مجبور ہیں اور جس نے ان کو ان کی گردش پر مجبور کیا ہے وہ ان سے زیادہ حکومت کا اہل اور بہترین حاکم ہے۔

منکر خدا: "سچ کہا"۔

امام علیہ السلام اے مصری برادر! تم یہ بتاؤ کہ تمہارے عقیدہ کے مطابق اگر زمانہ کے ہاتھوں میں موجودات کی زمام ہے اور وہی لوگوں کو لے جاتا ہے تو انھیں دوبارہ کیوں لوٹاتا اور اگر لوٹا دیتا ہے تو پھر انھیں کیوں نہیں لے جاتا؟

اے مصری برادر! دنیا کی ہر چیز مجبور ہے کیوں آسمان اوپر اور زمین نیچے واقع ہے؟ آسمان زمین پر کیوں نہیں گر پڑتا یا زمین اپنی سطح سے بلند ہوکر آسمان سے کیوں چپک نہیں جاتی؟ اور زمین کی تمام موجودہ اشیاء آسمان سے کیوں نہیں چپک جاتی ہیں"۔

(امام علیہ السلام کا مضبوط استدلال یہاں تک پہنچا تو عبدالملک کا شکدور کر کے اسے ایمان کی منزل میں لا پہنچایا) وہ امام علیہ السلام کی خدمت میں ایمان لے آیا اور اس نے وحدہ لاشریک کی گواہی دی اور اس نے اسلام کی حقانیت کی گواہی دیتے ہوئے بڑے ہی پر جوش انداز میں کہا: "وہ خدا ہے جو زمین وآسمان کا حاکم ہے اور جس نے انھیں روک رکھا ہے"۔

حمران: "امام علیہ السلام کا ایک شاگرد بھی وہاں موجود تھا، اس نے امام علیہ السلام کی طرف دیکھ کر کہا: "میری جان آپ پر فدا ہو اگر منکرین خدا آپ کی وجہ سے ایمان لائیں اور مسلمان ہوجائیں تو آپ کے جد کی وجہ سے کافروں نے بھی اسلام وایمان قبول کیا ہے"۔

عبدالملک نے جو ابھی ابھی مسلمان ہوا تھا امام سے عرض کیا: "آپ مجھے شاگرد کے طور پر قبول کر لیجئے"۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے خاص شاگرد ہشام بن حکم سے فرمایا: "عبدالملک کو اپنے ساتھ لے جاؤ اور اسے احکام اسلام کی تعلیم دو"۔ ہشام بن حکم جو شام اور مصر کے عوام کے لئے بہترین معلم تھے، عبدالملک کو اپنے ساتھ لے گئے اور عقائد اور احکام اسلام کی تعلیم دی تا کہ وہ سچے اور مضبوط عقیدہ والے ہوجائیں، اسی طرح امام جعفر صادق علیہ السلام نے اس مومن کے ایمان اور ہشام بن حکم کی تعلیمی روش کو بہت پسند کیا۔

★★★★★

# مذاق اڑانا

عالیجناب مولانا سید میثم زیدی صاحب

اسلام میں مذاق کرنا کوئی بری چیز نہیں ہے بلکہ مومن کے دل کو مسرور کرنے کے لئے کچھ کیف و سرور کی باتیں کرنا عبادت ہے اگر چہ مذاق تھوڑا ہی اچھا ہوتا ہے۔

بعض روایات میں ملتا ہے کہ مذاق کی مقدار نمک جیسی ہونی چاہئے اگر نمک کم ہوتا ہے تو ذائقہ نہیں رہ جاتا اور اگر وہی زیادہ ہو جاتا ئے تو ذائقہ خراب ہو جاتا ہے۔

البتہ مذاق کرنے اور مذاق اڑانے میں بہت بڑا فرق ہے۔ انسان کسی وقت تفریح میں ممکن ہے کوئی ایسی بات یا کوئی ایسا کام کرے جو مذاق کہا جا سکے لیکن مذاق اڑانا شریعت کی نگاہ میں برا عمل ہے جسکی قرآن اور احادیث میں سختی کے ساتھ مذمت کی گئی ہے کسی کا مذاق اڑانا بہت بڑا ظلم ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد ہو رہا ہے: "یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّن قَوْمٍ عَسَىٰ أَن یَکُونُوا خَیْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِّن نِّسَاءٍ عَسَىٰ أَن یَکُنَّ خَیْرًا مِّنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوا أَنفُسَکُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِیمَانِ وَمَن لَّمْ یَتُبْ فَأُولَٰئِکَ هُمُ الظَّالِمُونَ "ایمان والو خبردار کوئی قوم دوسری قوم کا مذاق نہ اڑائے کہ شاید وہ اس سے بہتر ہو اور عورتوں کی بھی کوئی جماعت دوسری جماعت کا مسخرہ نہ کرے کہ شاید وہی عورتیں ان سے بہتر ہوں اور آپس میں ایک دوسرے کو طعنے بھی نہ دینا اور اِرے اِرے القاب سے یاد بھی نہ کرنا کہ ایمان کے بعد بدکاری کا نام ہی بہت اِرا ہے اور جو شخص بھی توبہ نہ کرے تو سمجھو کہ یہی لوگ درحقیقت ظالمین ہیں۔ (حجرات ۱۱)

مذاق اڑانا درحقیقت کسی کی توہین کرنا ہے کہ جس کی شریعت اجازت نہیں دیتی۔ بعض روایات

میں ملتا ہے: ''اگر کوئی شخص کسی مسلمان کی توہین کرتا ہے تو گویا اس نے خدا سے جنگ کی۔''

(سفینۃ البحار، ج ۱، ص ۴۱)

امام جعفر صادقؑ نے ارشاد فرمایا: ''اپنے سے بڑوں کے ساتھ جھگڑا نہ کرو اور جن کے اوپر تم برتری رکھتے ہو ان کا مذاق نہ اڑاؤ''۔

اس لئے کہ کسی کی توہین کرنے کے بعد اس کی تلافی بہت مشکل سے ہوتی ہے۔

حضرت علیؑ فرماتے ہیں: ''ہر چیز کا بیج ہوتا ہے اور دشمنی و کینہ توزی کا بیج مذاق کرنا ہے''۔

انسان کو ایسی جگہ پر جانا ہی نہیں چاہئے جہاں مذاق اڑانے والے پائے جاتے ہوں۔ چونکہ وہ موقع پاتے ہی مذاق اڑائیں گے اور جب ان کو اس بات پر ٹوکا جائے گا تو وہ کہہ دیں گے کہ میں نے تو مذاق کیا تھا۔ کیونکہ انھوں نے مذاق کرنے اور اڑانے کے درمیان کبھی کوئی فرق محسوس ہی نہیں کیا گرچہ جب ان کا مذاق اڑایا جاتا ہے تو اپنے لئے بڑی توہین سمجھ کر ہمیشہ انتقام لینے کے خواہشمند رہتے ہیں۔

امام حسن مجتبیٰؑ اس سلسلہ میں ارشاد فرماتے ہیں: ''جب کسی جگہ کے بارے میں سنو کہ وہاں لوگوں کی توہین کی جاتی ہے تو کوشش کرو کہ وہ تمھیں پہچان ہی نہ سکیں۔''

(مستدرک الوسائل، ج ۱۲، ص ۷۸)

کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ محقق کسی خاص موضوع پر تحقیقی کام کرنا چاہتا ہے لیکن نااہلوں کے مذاق اڑانے کے خطرے میں اس کام سے پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ کمزوروں کا مذاق اڑانا اہل دنیا کا پرانا طریقہ کار رہا ہے۔ درحقیقت مذاق اڑانے والوں کی عاقبت ذلت و خواری ہے۔ یہ اپنی جگہ مسلم ہے کہ جو مذاق اڑاتا ہے اس کا مذاق اڑایا بھی جاتا ہے۔ چونکہ مذاق اڑانا درحقیقت کسی کی توہین کے مرادف ہے لہٰذا مذاق اڑانے والا اسی دنیا میں ذلت کا سامنا کرتا ہے۔

مرحوم شیخ عباس قمی اپنی کتاب ''انوار البھیۃ'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ ''بغداد میں لوگوں نے دیکھا کہ ایک عورت تیزی سے چلی جارہی ہے۔ لوگوں نے اس سے پوچھا اتنی جلدی میں کہاں جارہی ہو؟ اس نے جواب دیا: امام موسیٰ کاظمؑ کے روضہ کی طرف جارہی ہوں تاکہ ان سے فریاد کروں کہ میرے بیٹے کو قید خانہ میں ڈال دیا ہے آپ مدد کریں۔ یہ سنتے ہی اس سے سوال کرنے والے نے

مذاق اڑاتے ہوئے کہا موسیٰ کاظمؑ کی موت تک تو قید خانہ میں تھی آخر وہ کس طرح تمھارے قیدی بیٹے کو رہا کرا سکتے ہیں؟ اور وہ لوگ اس عورت کا مذاق اڑانے لگے۔ وہ عورت اس بات سے بہت مغموم ہوئی ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے لگی اور کہنے لگی خدایا! قید خانہ میں شہید ہونے والے امام حقؑ کی قسم اپنی طاقت و قوت کا مظاہرہ کردے اتنے میں اس نے دیکھا کہ اس کا بیٹا قید خانہ سے آزاد ہو کر اس کی طرف چلا آرہا ہے۔ دوسری طرف مذاق اڑانے والے کو کسی نے آکر خبر دی کہ تیرے بیٹے کو عمال حکومت نے فلاں جرم کی سزا میں پکڑ کر قید خانہ میں ڈال دیا ہے۔

رسول اسلامؐ ارشاد فرماتے ہیں: "کبھی بھی کسی مسلمان کی تحقیر نہ کرو کیونکہ ان کے بچے بھی خدا کے نزدیک بزرگواری رکھتے ہیں۔"

امام سجادؑ نے ارشاد فرمایا: "حضرت خضر کی حضرت موسیٰ کو آخری وصیت تھی کہ "کبھی بھی کسی شخص کو اس کے گناہ کی وجہ سے ذلیل نہ کرنا۔"

یہ حقیقت ہے کہ جس کا مذاق اڑایا جاتا ہے وہ جس کرب اور تکلیف کا شکار ہوتا ہے اسے کوئی دوسرا محسوس نہیں کرسکتا اسی لئے معصومینؑ نے تاکید کی ہے کہ جس چیز کو تم اپنے لئے پسند نہیں کرتے کہ وہ تمھارے لئے کہی جائے تم بھی دوسروں کے بارے میں اس بات کو ہرگز نہ کہو۔

رسول اسلامؐ ارشاد فرماتے ہیں: "دوسروں کو ذلیل کرنے والا اس وقت تک اس دنیا سے نہیں اٹھایا جاتا جب تک کہ وہ خود ذلیل نہ ہوجائے۔"

کسی بھی خدمت دین کرنے والے خاصان خدا کے ساتھ یہ برتاؤ عام رہا ہے کہ ان کا مذاق اڑایا گیا ہے، وہ انبیاءؑ رہے ہوں یا ائمہؑ، اولیاء رہے ہوں یا علماء، قوم نے ان سب کا مذاق اڑایا ہے، قرآن کریم میں ارشاد ہورہا ہے:

"وَكَمْ أَرْسَلْنَا مِن نَّبِيٍّ فِي الْأَوَّلِينَ، وَمَا يَأْتِيهِم مِّن نَّبِيٍّ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ" ہم نے کتنے پیغمبر لوگوں کے درمیان بھیجے مگر کوئی ایسا پیغمبر نہ تھا جس کا مذاق نہ اڑایا گیا ہو۔ (زخرف:۶/۷)

مذاق اڑانا کسی مومن کا شیوہ نہیں ہونا چاہئے بلکہ ہر شخص کو دوسرے کا احترام کرنا چاہئے کہ احترام کرنے ہی میں دوسروں سے احترام ملتا ہے۔

## رہبر انقلاب آیۃ اللہ العظمی سید علی خامنہ ای دامت برکاتہ

رہبر انقلاب اسلامی آیۃ اللہ العظمی سید علی خامنہ ای نے، جو مسلح افواج کے سپریم کمانڈر بھی ہیں، جمہوریہ ایران کی ملٹری یونیورسٹیوں کے کیڈٹوں کی پاسنگ آؤٹ پریڈ اور فوجی جوانوں کو درجے عطا کئے جانے کی تقریب میں فرمایا کہ مسلح افواج کو ایمان وعقیدے، سائنس وٹیکنالوجی اور نظم وضبط کے لحاظ سے روز افزوں آمادگی کا حامل ہونا اور دفاع مقدس کے گرانقدر تجربات سے استفادہ کرتے ہوئے ہر وقت آمادہ وتیار رہنا چاہئے۔

آپ نے مؤمن وکارآمد فوجی جوانوں کو ملک کا عظیم اور حقیقی سرمایہ قرار دیا اور دفاع مقدس کے دور کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ دفاع مقدس کا زمانہ ایک سخت امتحان کا دور تھا جس کے دوران اسلامی جمہوریہ ایران کی فوج کا جوہر نکھر کر سامنے آیا اور فوج کے ہاتھوں انتہائی نمایاں اور درخشاں کارنامے سرانجام پائے۔

ایران پر مسلط کردہ آٹھ سالہ جنگ درحقیقت ایرانی عوام کی سرحدوں، ان کی شناخت، اقدار، اسلامی جمہوری نظام اور انقلاب کے خلاف ایک بین الاقوامی جنگ اور بڑی طاقتوں اور ان کے عالمی اور علاقائی پٹھوؤں کی ہمہ جانبہ یلغار تھی۔

اس بڑے معرکہ میں ایران کی عظیم قوم اور مسلح افواج نے اپنے ایمان، جذبہ استقامت، اللہ پر توکل اور (حضرت) روح اللہ (امام خمینی) کے فرمان پر بھروسہ کر کے اللہ کے لئے قیام کیا اور سبھی

طاقتوں پر غلبہ حاصل کیا۔

آپ نے اس تقریب میں موجود فوجی جوانوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ کی گذشتہ نسل اس طرح کی باعث افتخار نسل تھی اور اب آپ لوگ اس کی میراث کے وارث ہیں۔

رہبر انقلاب اسلامی نے دفاع مقدس کے دوران کے کمانڈروں کی شجاعتوں اور بہادری کے کارناموں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ آج پوری دنیا، دوست و دشمن سبھی، زبان اور دل سے ایرانی عوام اور اسلامی جمہوری نظام کی عظمت، ہوشیاری، شجاعت اور ثابت قدمی کا اعتراف کرتے ہیں۔

آپ نے ملٹری یونیورسٹیوں کے عہدیداروں اور فوجی کمانڈروں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے فرمایا کہ خداوند عالم کے لطف و کرم سے آنے والا» کل «یقینی طور پر آج سے بہتر ہوگا، اس تقریب کے آغاز میں رہبر انقلاب اسلامی نے شھداء کی یادگار پر حاضری دے کر شھدائے والا مقام کے لئے فاتحہ پڑھی اور پھر فوج کے چاق و چوبند دستوں نے شاندار پریڈ کا مظاہرہ کیا، اس تقریب میں فوج کے سربراہ جنرل عطاء اللہ صالحی نے بھی فوج کی مکمل آمادگی کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ ایران کی انقلابی فوج، امریکہ کی زیر سرکردگی عالمی سامراج کی جانب سے ہر قسم کے ممکنہ خطرات اور برطانیہ و صیہونی حکومت کی سازشوں پر مکمل نظر رکھے ہوئے ہے اور سرحدوں کے اس پار کافی دور تک دشمنوں کی ہر طرح کی جارحیت کا منہ توڑ جواب دینے کے لئے تیار ہے۔

## امریکی ریاست فلوریڈا میں ایک مسجد نذر آتش

امریکہ میں مسلمانوں کے خلاف شدید تعصب کے ماحول کے دوران ایک بار پھر ریاست فلوریڈا میں ایک مسجد کو آگ لگادی گئی ہے۔

ریاست فلوریڈا کے علاقے سینٹ لوئیس میں فورٹ پیئرس Fort Pierce مسجد اور اسلامک سینٹر کو عین اس وقت آگ لگادی گئی جب اس علاقے کے مسلمان نماز عیدالاضحیٰ کی تیاری کررہے تھے۔

اس خوفناک آگ کے نتیجے میں مسجد کے اصل ہال کی چھت میں گہرا گڑھا پیدا ہوگیا، امریکی پولیس نے بھی اس بات کا ذکر کرتے ہوئے کہ مسجد میں آگ جان بوجھ کر لگائی گئی ہے کہا کہ وہ ایک

مشتبہ سفید فام شخص کو تلاش کر رہی ہے جس کے بارے میں شبہہ ہے کہ اسی نے مسجد میں آگ لگائی ہے۔

سینٹ لوئیس شھر کی پولیس نے اپنے بیان میں کہا ہے کہ فوٹیج میں موجود تصویروں سے پتہ چلتا ہے کہ مشتبہ شخص مسجد میں داخل ہوا تھا، امریکی مسلمانوں نے اس واقعے پر اپنی گہری تشویش کا اظہار کرتے ہوئے اس کی سخت الفاظ میں مذمت کی ہے۔

اسلام۔امریکا تعلقات کونسل نے بھی اپنے بیان میں اعلان کیا ہے کہ اس قسم کے اقدامات کا مقصد، صرف امریکا کے مسلمانوں میں خوف و ہراس پیدا کرنا ہے، اسلام۔امریکا تعلقات کونسل کے ترجمان نے اپنے بیان میں کہا ہے کہ مسلمانوں کی ایک بڑی عید کے موقع پر جو کچھ ہوا ہے ہم سب کو اس پر صدمہ اور تشویش ہے لیکن امریکی مسلمان صرف ایک مسجد اور ایک اسلامک سینٹر تک محدود نہیں، ہم اس طرح کے واقعات سے مرعوب ہونے والے نہیں ہیں۔

ریاست فلوریڈا کی مسجد میں آتش زنی کا یہ واقعہ گیارہ ستمبر کی گیارہویں برسی کے موقع پر پیش آیا ہے، امریکا اور مغرب میں گیارہ ستمبر کے واقعات کے بعد سے مسلمانوں کو مسلسل طرح طرح کے حملوں کا نشانہ بنایا جاتا رہا ہے۔

## آیت اللہ سیستانی کی جانب سے عراق کے بے گھر سنی مسلمانوں کے درمیان امداد تقسیم

عراق میں آیت اللہ العظمی سیستانی کے دفتر سے بھیجے گئے ایک وفد کے ذریعے اس ملک کے صوبہ صلاح الدین کے شمالی علاقوں میں سنی بے گھر لوگوں کے درمیان دسیوں ٹن قربانی کا گوشت تقسیم کیا گیا۔

رپورٹ کے مطابق شھر الشرقاط اور اس کے گردونواح کے دسیوں دیہاتوں کے لوگ داعش کے ظلم وستم کی وجہ سے بھاگ کر کیمپوں میں جمع ہوئے ہیں جہاں شیعوں کے مرجع تقلید آیت اللہ سیستانی کے دفتر نے ان کے درمیان اشیائے خورنی کے علاوہ دسیوں ٹن قربانی کا گوشت بھی تقسیم کیا ہے۔

واضح رہے کہ عراقی فوج اور رضا کار فورس نے دو ماہ قبل صوبہ صلاح الدین میں فوجی آپریشن کر

کے اس صوبہ کے کئی علاقوں کو دہشتگردوں سے آزاد کروالیا ہے۔

## میانمار میں تین ہزار مسجدیں اور مراکز مسمار ہونے کی زد پر

رپورٹ کے مطابق آراکان کی صوبائی حکومت کے حکام نے بدھ کے روز اعلان کیا ہے کہ مسلمانوں کی جو مساجد اور مذھبی مراکز غیر قانونی طور پر تعمیر کیے گئے ہیں، انھیں گرادیا جائے گا، اس رپورٹ کے مطابق، بہت جلد ہی اس حکم پر عمل درآمد شروع کردیا جائے گا۔

میانمار کے مختلف علاقوں میں تھوڑے تھوڑے عرصے کے بعد بدھشٹوں اور مسلمان اقلیت کے درمیان خاص طور پر مذھبی عمارتوں کے مسئلے پر کشیدگی پیدا ہوجاتی ہے جس سے مسلمان کمیونٹی کو سخت نقصان پہنچتا ہے اور ان کے مذھبی مراکز، مساجد اور دینی مدارس کو تباہ کردیا جاتا ہے۔

جولائی کے مہینے میں بھی انتہا پسند بدھشٹوں نے صوبہ راخین کے ایک گاؤں میں مسلمانوں کی ایک مسجد کو آگ لگادی تھی، اور یہ واقعہ اس وقت پیش آیا کہ جب چند روز قبل علاقے کے حکام نے مسجد کی عمارت کے غیر قانونی ہونے کے بہانے اس مسجد کو گرانے کا حکم اس کے متولیوں کے حوالے کیا تھا۔

## آل سعود نے اسلام کا تابناک چہرہ مسخ کرکے پیش کیا ہے: عبدالملک الحوثی

یمن کی اسلامی تنظیم انصار اللہ کے سربراہ عبدالملک الحوثی نے آل سعود کی طرف سے وہابیوں اور صہیونیوں کی بیشمار خدمات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے آل سعود نے اسلام کا تابناک چہرہ دنیا کے سامنے مسخ کرکے پیش کیا ہے اور سعودی عرب درحقیقت حرمین الشریفین کی آڑ میں اسلام اور مسلمانوں کی پشت میں خنجر گھونپ رہا ہے۔

سعودی عرب کے پروردہ دہشت گرد امریکی اور اسرائیلی مقاصد کو تحفظ فراہم کررہے ہیں، سعودی عرب اور اس کے پروردہ وہابیوں نے اسلام کے درخشاں چہرے کو دنیا کے سامنے بدنما بنا کر پیش کیا ہے۔

سعودی عرب نے اسلامی اتحاد و اخوت و برادری کو زبردست نقصان پہنچایا ہے اور اسلامی ممالک کے ساتھ اتحاد قائم کرنے کے بجائے اس نے امریکہ اور اسرائیل کے ساتھ اتحاد قائم کیا ہے۔

سعودی رعب نے امت مسلمہ میں اختلاف اور عراق، افغانستان، پاکستان، لیبیا اور شام میں

عدم استحکام پیدا کر کے اور دہشت گردی کو فروغ دیکر امریکہ اور اسرائیل کی بہت بڑی خدمت کی ہے۔

## دہشتگردی کے خاتمے میں امریکہ سے بڑی رکاوٹ ہے

## آیۃ اللہ العظمی سید علی خامنہ ای دامت برکاتہ

رہبر انقلاب اسلامی آیت اللہ العظمی سید علی خامنہ ای نے دہشت گردوں کے لئے امریکا کی مالی اور اسلحہ جاتی امداد کو دہشت گردی کا مسئلہ حل کرنے میں سب سے بڑی رکاوٹ قرار دیا۔آپ نے فرمایا کہ امریکا کی جانب سے داعش اور بعض دیگر دہشت گرد گروہوں کی امداد کی، بالکل معتبر، دقیق اور دستاویزی ثبوت کے ساتھ رپورٹیں موجود ہیں۔ رہبر انقلاب اسلامی نے فرمایا کہ اس وقت بھی جب کہ انھوں نے داعش کے خلاف اتحاد تشکیل دے رکھا ہے امریکا کے بعض ادارے دوسرے طریقوں سے داعش کی مدد کررہے ہیں۔ دنیا کے بڑے بڑے تشہیراتی ادارے جو مغربی سیاستدانوں کے تسلط میں ہیں، بعض شر پسندوں اور دہشت گردوں کے اقدامات کو بہانہ بنا کر اسلام کے خلاف مہم چلا رہے ہیں اور خفیہ سیاسی سازشیں (انتہا پسندی اور دہشت گردی کے خلاف) ثقافتی میدان میں جدوجہد کی راہ میں مشکلات کھڑی کررہی ہیں۔

★★★★★